ماہنامہ
مُسلمان بچےّ ®
بچوں کے اسلامی و اخلاقی ادب کا ترجمان
لاہور پاکستان
179
مُحرم ۱۴۴۴ / اگست 2022
www.musalmanbachay.com

بہترین تحفہ

انوکھا جشنِ آزادی

مسٹر یوزفل
ایک ہنستی مسکراتی تحریر



گلاب جامن کا ڈبہ
اچھوتی تحریر



نایاب میڈل
کشمیر کہانی

سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت

ماہنامہ

مسلمان بچے

لاہور

شمارہ 1

محرم ۱۴۴۴ھ بمطابق اگست 2022ء

جلد 16

بچے تو سبھی ہیں بہت اچھے
مگر سب سے اچھے مسلمان بچے



بچوں کے
اسلامی ......
اخلاقی ......
تعلیمی ...... اور
تربیتی ادب کا
ترجمان

قیمت فی شمارہ
60 روپے
سالانہ زرتعاون
720/= روپے

اپنی کہانیاں اور مضامین صرف اس پتے پر ارسال فرمائیں

پوسٹ بکس نمبر: 15 جی پی او بہاولپور

[redacted]

ترسیل رقم اور حصول رسالہ کیلئے

مکتبہ ابن مبارک 37-حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
موبائل 0322-5140485

پبلشر محمد زاہد نے علی پریس لاہور سے چھپوا کر تقسیم کیا

اس شمارے میں









اس کے علاوہ مستقل سلسلوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ۔۔۔۔

فرمان باری تعالیٰ

’’اللہ کی پاکی بیان کی ہے ہر اس چیز نے جو زمین اور آسمانوں میں ہے اور وہی زبردست ہے، حکمت والا ہے۔ زمین اور آسمانوں کی سلطنت کا مالک وہی ہے، وہی زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ وہی اول بھی ہے اور آخر بھی اور ظاہر بھی ہے اور مخفی بھی اور وہی ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔‘‘ (سورۃ الحدید)

فرمان رسول اکرم ﷺ

حضور ﷺ نے ایک دن فجر کی نماز پڑھی اور اس میں آپ نے سورۃ الروم شروع کی تو آپ ﷺ کو اس میں اشتباہ ہوگیا اور خلل پڑ گیا، جب آپ ﷺ نماز پڑھ چکے تو فرمایا: بعض لوگوں کی یہ کیا حالت ہے کہ ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہو جاتے ہیں اور طہارت (وضو وغیرہ) اچھی طرح نہیں کرتے، بس یہی لوگ ہمارے قرآن پڑھنے میں خلل ڈالتے ہیں۔ (سنن نسائی)

حمد باری تعالیٰ

کبھی کبھی وہ خطا پر سزا بھی دیتا ہے
وفا کریں تو وفا کا صلہ بھی دیتا ہے

وہ یوں تو رہتا ہے پوشیدہ اہل دنیا سے
ہر ایک شے سے پر اپنا پتا بھی دیتا ہے

وہ کشتِ مردہ کو دیتا ہے زندگی کی نوید
خزاں کے دور کو حکم فنا بھی دیتا ہے

وہی تو کرتا ہے قربانیوں پر آمادہ
حریص زیست کو ذوقِ فنا بھی دیتا ہے

بھڑا بھی دیتا ہے شاہیں سے مولوں کو
انہی مولوں کو پھر حوصلہ بھی دیتا ہے

کسی بشر کو نہیں غیب کی خبر لیکن
وہ اپنے پیاروں کو بہت کچھ بتا بھی دیتا ہے

نعت رسول مقبول ﷺ

کیا کروں عرض تری شان میں قربان جاؤں
دونوں عالم کی ہے تو جان میں قربان جاؤں

انبیاء یوں تو بہت آئے جہاں میں لیکن
تجھ پہ نازل ہوا قرآں میں قربان جاؤں

تیرے در پر تو بنے بیٹھے ہیں سلطاں بھی فقیر
تو ہے سلطانوں کا سلطاں میں قربان جاؤں

جو ہے سردار ملائک وہی جبرئیل امیں
تیرا حاجب تیرا درباں میں قربان جاؤں

اک پیالہ تھا تو اک بوریا اے شاہِ امم!
تیری پونجی ترا سامان میں قربان جاؤں

تجھ سے پیاری میں رکھوں جان تو کیسا ایماں
تجھ پہ لایا ہوں میں ایمان میں قربان جاؤں



ایک دعاء یاد کیجئے

اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡنِیۡ مِنَ التَّوَّابِیۡنَ وَاجۡعَلۡنِیۡ مِنَ الۡمُتَطَهِّرِیۡن

یا اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں میں سے بنا دیجئے اور مجھے پاکی حاصل کرنے والوں میں سے بنا دیجئے۔

ایک حدیث یاد کیجئے

عَنۡ حُذَیۡفَةَ قَالَ: کَانَ رَسُوۡلُ اللهِ ﷺ اِذَا قَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ اللَّیۡلِ یَشُوۡصُ فَاهُ بِالسِّوَاکِ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب رات کو آپ تہجد کے لئے اُٹھتے تو مسواک سے اپنے دہن مبارک کی خوب صفائی کرتے (اس کے بعد وضو فرماتے اور تہجد میں مشغول ہوتے (بخاری و مسلم)

ہم بھول گئے

اسماء بنت عاصم

ذلت کے بھنور میں الجھے ہیں
ہم پار اترنا بھول گئے
عزت سے جینا بھول گئے
عزت سے مرنا بھول گئے

کھیلوں میں وقت گنوا بیٹھے
شمشیر زنی نہ یاد رہی
جو کام ہمارے ذمے تھا
اس کام کو کرنا بھول گئے

اسلام نے جو بخشا ہم کو
اس علم وہنر کے غازے سے
غیروں کو نکھارا تھا لیکن
خود آپ نکھرنا بھول گئے

ہم شیر بھی تھے شاہین بھی تھے
پر ''وہن'' ہمیں تو لے ڈوبا
ہر باطل سے ڈر جاتے ہیں
اللہ سے ڈرنا بھول گئے

قرآن ملا اور اسوہ بھی
منصب بھی خیر امت کا
اوروں کو سنواریں کیسے ہم
خود آپ سنورنا بھول گئے

مغرب کی ثقافت نے انور
جیون کے جو انداز دیئے
ہر بزم سے ان کی ہو گزرے
ہم جاں سے گزرنا بھول گئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم

نیا اسلامی سال مبارک

اللہ تعالیٰ پوری امت مسلمہ کے لئے اس کی برکات اور رحمت عام فرمائیں آمین۔

آج دین کا ایک اہم مسئلہ سمجھے اور پھر اسے عام کیجئے۔

محرم الحرام اللہ تعالیٰ کے ہاں خاص رحمت والے مہینوں یعنی "اَلشُّھُرِ حُرُم" میں سے ایک ہے، ہر سال کے چار خاص مہینے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ التوبہ میں کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے سال کے بارہ مہینے مقرر فرمائے ہیں اور ان میں سے چار کو حرمت والے قرار دیا ہے، یہ چار مہینے درج ذیل ہیں:

۱) محرم (اسلامی سال کا پہلا مہینہ)

۲) رجب (اسلامی سال کا ساتواں مہینہ)

۳) ذوالقعدہ

۴) ذوالحجہ (اسلامی سال کا گیارہواں اور بارھواں مہینہ)

ان حرمت والے چار مہینوں میں کئی دن ہیں جو خاص اہمیت والے ہیں جیسے عشرہ ذوالحجہ جو انسانی زندگی کے سب سے افضل ایام ہیں انہی میں یوم عرفہ بھی ہے "یوم النحر" بھی اور ایام تشریق بھی۔ اسی طرح یوم عاشور" جو سابقہ امتوں میں بھی بڑی فضیلت والا دن رہا اور اس امت میں بھی اس کی خصوصیت برقرار رہی، اس دن میں اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں کا ظہور رہوا۔

اسی طرح ان چار مہینوں کے دو خصوصی احکام تھے جن میں سے ایک منسوخ ہو چکا ایک قیامت تک باقی ہے۔

۱) قتال کی ممانعت (یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے اور مسلمانوں کو پورا سال ہر دن قتال کی اجازت

ہے)

۲)گناہوں سے بچنے کا خاص اہتمام کیونکہ جس طرح رمضان المبارک کے مہینے میں نیکیوں کا اجر بڑھ جاتا ہے اسی طرح ان چار مہینوں کا وبال بڑھ جاتا ہے۔لہذا یہ حکم قیامت تک باقی ہے کہ ان مہینوں میں گناہوں سے بطور خاص بچا جائے، ویسے تو مومن کو ہر وقت ہی گناہوں سے دور رہنا چاہیے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ استغفار کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کر لینا چاہیے لیکن ان مہینوں کے لئے جب قرآن مجید میں تاکید کے ساتھ یہ حکم فرمایا گیا تو یقیناً اہم بات ہو گی۔

ماہ سال کا یہ نظام اللہ تعالیٰ کا مقرر فرمودہ ہے اور یہ زمین و آسمان کی تخلیق کے ساتھ ہی بنایا گیا تھا، اب بحیثیت مسلمان ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان سے متعلق احکام الہی کو جانیں اور ان پر عمل کریں۔لیکن افسوس! اس بارے میں جتنی غفلت مسلمانوں میں عام ہے شاید ہی کسی دوسرے مسلک میں ہو۔اچھے خاصے دیندار لوگ نہ اسلامی مہینے جانتے ہیں نہ انہیں حرمت والے مہینوں کے نام اور احکام پتہ ہیں، نہ سال کے خاص فضیلت والے ایام کا علم ہے اور نہ ہی اس علم کے حصول کی فکر۔

آپ یہ علم حاصل کیجئے اور اس کی روشنی کو عام کیجئے، تا کہ مسلمان ان ایام اور احکام کو جانیں، ان پر عمل کریں اور ان سے فائدہ اٹھائیں۔خصوصاً حرمت والے مہینوں کی تعداد، ان کے نام اور ان کا خاص حکم تو جہاں تک ہو سکے پہنچانے کی فکر کریں۔اللہ تعالیٰ آپ سب کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام

آپ کا بھائی جان

ابو اسامہ

انوکھا جشنِ آزادی

سائرہ شاہد

مینا اور مونی اسکول سے واپس آئے تو محلے کی اکثر دکانیں سبز و سفید جھنڈوں سے سجی ہوئی نظر آئیں۔ بڑے جھنڈے جنہیں چھت پر لگایا جاتا ہے اور چھوٹے جھنڈے جنہیں سائیکلوں پر لگا کر جشن آزادی کے دن ریس لگائی جاتی ہے۔ مختلف شکلوں کے بنے ہوئے پاکستانی جھنڈے کے بیج جو کپڑوں پر لگائے جاتے ہیں اور اسٹیکر جنہیں منہ پر لگائے رکھنا سچے پاکستانی ہونے کا ثبوت سمجھا جاتا ہے۔ مینا اور مونی نے بہت توجہ سے سب چیزوں کو دیکھا اور گھر کی راہ لی۔

”مینا! ہم اس بار بہت ساری جھنڈیاں لیں گے، سارے کمروں میں، کھڑکیوں اور پورے گھر پر لگائیں گے۔“

مونی یہ کہتے ہوئے آگے بڑھا تو کوئی چیز اس کے پاؤں کے نیچے آئی، اس نے جلدی سے پاؤں پیچھے کیا کیونکہ وہ پھٹی ہوئی ایک سبز و سفید جھنڈی تھی جسے شاید کسی بچے نے پھینک دیا تھا۔

”جھنڈیوں کا یہی حال ہوتا ہے میرے بھائی! جیسے اس بے چاری کا ہوا۔ کیا اچھا لگتا ہے کہ پیارے وطن کے پیارے پرچم کو پاؤں تلے روندنا؟“ مینا نے جھنڈی اٹھا کر اسے محبت سے صاف کرتے ہوئے کہا تو مونی نے آہ بھری۔ اسے بہت افسوس ہوا تھا کہ وطن کا پرچم اس طرح زمین بوس تھا۔

”ہم دونوں مل کر کچھ کریں گے مینا! ان شاء اللہ اس بار ایسا کچھ نہیں ہوگا۔“

مونی نے پختہ ارادہ کرتے ہوئے کہا تو مینا دل سے مسکرائی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس کا شرارتی بھائی کچھ نہ کچھ ضرور سوچ لے گا۔

***

مینا اور مونی چوتھی جماعت کے طالب علم تھے اور اپنی شرارتوں کی وجہ سے محلے کے تمام بچوں میں خاصے مشہور تھے۔ بچے ان کی ہر بات مانتے تھے تاکہ ان کی نظر میں وہ بھی شرارتی بن سکیں۔

اتوار کی صبح کھیل کے میدان میں تمام بچے دَم سادھے بیٹھے تھے جبکہ مینا اور مونی تین چار اینٹوں کی کرسی بنا کر ان سے ذرا اونچے بیٹھے تھے۔

”میرے پیارے دوستو! ہم دونوں بہن بھائی نے اس بار جشن آزادی کے لیے کچھ نیا سوچا ہے۔ کیا تم سب ہمارا ساتھ دو گے؟“

مونی نے بلند آواز سے کہا تو کچھ بچوں نے

فوراً ہاں میں جواب دیا جبکہ کچھ بچے جھجک رہے تھے کیونکہ کچھ دن پہلے ہی بقرہ عید پر شرارتوں میں حصہ لینے کی وجہ سے ان کی چھترول ہو چکی تھی۔

"ڈرو نہیں، اس بار ہمارے امی بابا ہم سے خوش ہو جائیں گے۔" مینا کی بات سن کر باقی بچوں میں جوش پیدا ہوا

"سارا سال ہم نے جھنڈیوں کے لیے پیسے جمع کیے اور پچھلے ہفتے ہم سب کی بہت ساری عیدی بھی ہوئی ہے۔ آج سارے گولک توڑ دو اور سارے پیسے لے آؤ لیکن امی ابو کو تنگ کر کے پیسے لانے والا بچہ ہماری ٹیم سے نکال دیا جائے گا۔" مونی نے بارعب انداز میں کہا تو سب بچوں نے توجہ سے اس کی بات سنی

"کسی کے جتنے پیسے ہوں گے وہ صرف مونی کو اور مجھے پتا ہو گا تاکہ تم سب کم یا زیادہ پیسے دینے پر ایک دوسرے سے نہ لڑو!"

مینا کی اس بات پر وہ بچے بھی خوش ہو گئے جن کے پاس صرف کچھ سکے ہی جمع تھے۔ ان باتوں کے بعد دونوں بہن بھائی نے ان سب کو اپنا منصوبہ بتایا۔ سب بچے خوشی خوشی اپنے اپنے گھروں کی طرف بھاگے اور شام کو مقررہ وقت پر کھیل کے میدان میں پہنچ گئے۔ ان سب نے اپنے اپنے پیسے مونی کی گود میں ڈال دیے اور مونی نے دو بچوں کو کھڑا کر کے کچھ پیسے دیے۔

"سارے بچے گن لو اور بالکل ایک جیسے بیج لے آؤ تاکہ ہم سب کا ایک ایک بیج آجائے۔"

مونی نے کہا تو بچے گنے گئے اور محلے کی دکانوں سے ایک جیسے کئی بیج جمع کیے گئے۔ ایک ایک بیج سب بچوں کو دیا گیا اور پھر یہ قافلہ ایک سمت کو چل دیا۔ ایک گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا اور وہاں سے ایک آدمی باہر نکلا۔ محلے کے سارے بچوں کو گھر کے سامنے دیکھ کر حیرت سے پوچھا گیا:

"کیا بات ہے بچو؟ خیریت ہے نا؟" بچوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مولوی چچا! ضروری بات کرنی ہے۔" مونی بولا۔

مولوی صاحب نے ان سب کو اپنی بیٹھک میں بٹھایا تو بچوں نے اپنا منصوبہ بتایا۔ مولوی صاحب ان کی بات سُن کر بہت حیران اور خوش ہوئے۔ انھوں نے ان کا ساتھ دینے کی ہامی بھری لیکن پریشان ہوئے کہ اتنے زیادہ پیسے کہاں سے آئیں گے۔ مونی نے ڈھیر ساری رقم مولوی صاحب کے ہاتھ میں دی، جس میں چھوٹے بڑے، نئے پرانے نوٹ اور سکے بھی تھے۔ یہ دیکھ کر ان کو تسلی ہوگئی تو انھوں نے بچوں کا ساتھ دینے کا عہد کیا۔ مونی نے ایک بچے کو پیسے

دے کر بھیجا اور وہ کچھ جھنڈیاں، دھاگا اور گوند لے آیا۔ سب بچوں نے دھاگے کے ساتھ جھنڈیاں لگا کر بڑی بڑی لڑیاں بنا دیں اور اپنے اپنے گھر کی راہ لی۔ اگلے دن فجر کی نماز کے بعد مولوی صاحب نے اعلان کیا:

"اس بار ہم مسجد میں جشن آزادی منائیں گے اور مکمل دعوت بھی دی جائے گی۔"

کچھ لوگوں کو خوشگوار حیرت ہوئی اور کچھ چہ مگوئیاں کرنے لگے۔ تیرہ اگست کی رات کو مسجد کی طرف جانے والی گلی کو جھنڈیوں سے سجایا گیا اور چودہ اگست کی صبح فجر کی نماز کے وقت سب نے سجی سجائی مسجد دیکھی تو حیران رہ گئے لیکن کسی نے کوئی سوال نہیں کیا۔

ٹھیک دس بجے تمام بچے اور بڑے تیار ہو کر مسجد پہنچے۔ سب نے ایک دوسرے سے گلے لگ کر جشن آزادی کی مبارک باد دی۔ مولوی صاحب نے بچوں کے پیسوں سے دیگیں پکوا رکھی تھیں مسجد کے ساتھ والے پلاٹ میں ٹینٹ لگائے تھے جہاں سب نے مل کر کھانا کھایا اور آزادی کی خاطر بزرگوں کی قربانیوں کو یاد کیا۔

کچھ بچوں کی ذمہ داری تھی کہ کوئی جھنڈی ٹوٹے تو اسے جلدی سے اُٹھا لیا جائے۔ اس طرح پاکستان کے پرچم کی حفاظت کی گئی اور اندر مولوی صاحب نے مزدوروں کے ہاتھ میں چپکے سے لفافے رکھے جو جشن آزادی کی چھٹی کی وجہ سے پریشان تھے۔

مولوی صاحب نے دو تین ایسے لوگوں سے بات کی تھی جو ہمیشہ صدقہ و خیرات میں پیش پیش رہتے تھے تو وہ بے حد خوش ہوئے اس لیے مزدوروں کے لفافے ان کے دیئے پیسوں سے بن گئے تھے۔

سب بچوں نے کپڑوں پر ایک جیسے بیج لگا رکھے تھے اور امیر و غریب بچوں کے درمیان ہر فرق مٹ جانے کی وجہ سے ان چہرے خوشی سے تمتما رہے تھے۔ مولوی صاحب نے کہا:

"یہ سارے انتظامات ان ننھے بچوں کی وجہ سے ہوئے ہیں جنہوں نے جھنڈیاں خریدنے کے لیے پیسے جمع کر رکھے تھے لیکن وہ پیسے انہوں نے اس طرح خرچ کیے۔"

مولوی صاحب کی بات سُن کر سب لوگ حیران رہ گئے کیونکہ انہیں لگ رہا تھا کہ یہ سب خود مولوی صاحب نے کیا۔ اس انوکھے جشن آزادی کو سب نے پاکیزہ طریقے سے مل جل کر منایا، غریبوں کی مدد ہوئی اور وطن کے پرچم کی حفاظت بھی ہوئی۔

مونی کو سب سے بہت پیار ملا اور اس کی پچھلی شرارتوں پر سب نے اسے معاف کر دیا۔

****

پنڈال میں خوب گہما گہمی تھی۔ اسٹیج بھی بہت خوبصورت سجا ہوا تھا۔

اسلامی سال کا تعارف

مہمانوں کی آمد آمد تھی۔ اجتماعی طور پر ہر سال اپنے ساتھ بارہ مہینے اور ۳۶۰ دنوں کو لے کر آ رہا تھا۔

کسی نے بھی ان کے احترام میں کسی طرح کا جوش نہیں دکھایا۔

ساون، بھادوں کو بہت تکلیف ہوئی۔ دونوں ایک دوسرے کے کان میں کچھ سرگوشی کر کے بیٹھ گئے۔ پھر اسٹیج پر ایک ایک مہینے کو بلا کر اس کا تعارف ہوا۔ پھر سال بکرمی نے اپنا تعارف بھی کروایا۔

ابو دجانہ



سب سے پہلے دیسی سال بکرمی آیا اور اپنے ساتھ ساون، بھادوں، اسوج، کاتک کو لایا۔ اس کے ساتھ تین سو ساٹھ کی بجائے تین سو ستر دن تھے کیونکہ اس میں کئی مہینوں میں بتیس دن بھی ہوتے ہیں۔ ہر طرف عجیب خاموشی تھی۔

اس کے تعارف کے بعد عیسوی سال کو بلایا گیا۔ عیسوی سال کے ساتھ جنوری، فروری، مارچ سب مہینے اور ساتھ تین سو پینسٹھ دن بھی آئے۔ جیسے ہی وہ اسٹیج پر پہنچے تو ہر طرف خوشیوں کا سماں لگنے لگا۔

لوگ بہت خوش ہوئے، کیونکہ زیادہ تر لوگوں کا لین دین اسی سال کے مہینوں پر ہوتا ہے۔ جنوری نے اپنا تعارف موٹے لباس، جرسی، جراب اور گرم ٹوپی سے کروایا۔

فروری مارچ نے بھی اسی کی ہاں میں ہاں ملائی، اپریل، مئی، جون نے اس کے الٹ کہا۔ ہلکے ہلکے لباس پہن کر خوب سج دھج کر اپنا آپ منوایا۔ ان کے تعارف کے بعد جولائی کو بہت تکلیف ہوئی کہ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ کیوں نہیں ملایا، جولائی اپنا منہ بنا کر بیٹھی رہی۔

اگست ستمبر پر تو لوگ کھڑے ہو گئے استقبال کے لئے ۱۴ اگست اور ۶ ستمبر کی وجہ سے۔ اکتوبر نومبر، دسمبر نے بھی مختصر سا تعارف کروا کر اجازت مانگی

عیسوی سال کے بعد ہجری سال کو اسٹیج پر آنے کی دعوت دی گئی۔

جیسے ہی ہجری سال اپنے بارہ مہینوں، محرم، صفر، ربیع الاول کو ساتھ لے کر اسٹیج پر حاضر ہوا تو ہر طرف لوگوں کے چہرے شرم سے جھک گئے، ایسے لگ رہا تھا جیسے لوگ بہت زیادہ شرمندہ تھے۔

ساون، بھادوں کے ساتھ والے مہینے اور جنوری فروری کے ساتھ والے مہینے تو یہ منظر دیکھتے ہی رہ گئے۔ سب لوگ کھڑے ہوئے ہیں۔ کوئی ان سے نظر نہیں ملا رہا۔

پھر خوب پروٹوکول کے ساتھ ہجری سال اپنے بارہ مہینوں اور تین سو پچپن دنوں کے ساتھ جلوہ نما ہوا۔

ہجری سال نے اپنا تعارف کروایا کہ میں کچھ نہیں ہوں، صرف یہ جو آپ لوگوں کا استقبال اور محبت ہے، یہ صرف اور صرف اس وجہ سے ہے کہ میری نسبت حضور اکرم ﷺ کے مبارک سفر ہجرت سے ہے۔

ہجرت میرے آقا ﷺ کی بہت بڑی قربانی ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے بھی ہجرت کرنے میں کوئی کمی نہیں کی، لیکن مجھے افسوس ہے آپ لوگوں پر کہ آپ محبت وعقیدت تو بہت دیتے ہو، لیکن اپنا لین دین میرے مہینوں اور میرے دنوں پر نہیں کرتے، یہ مجھے بہت صدمہ دیتا ہے کہ آپ کا اپنا کلچر، اپنی ثقافت ہونے کے باوجود تم مسلمان لوگ غیروں کی نقل کرتے ہو۔

یاد رکھنا! کل کو نبی پاک ﷺ کے سامنے جانا ہے کہ کس منہ سے سامنا کرو گے؟ اپنے محبوب ﷺ کی اداؤں میں تمہاری کامیابی اور عزت ہے۔

انہی الفاظ کے ساتھ ہجری سال نے اجازت مانگی۔ اب اس کے بعد محرم کا مہینہ اسٹیج

پر آیا اور اپنا تعارف کروایا کہ میں کون سے الفاظ سے آپ لوگوں کو جگاؤں، میرا تو پہلا دن ہی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کا درس دیتا ہے۔

پھر ۱۰ محرم شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے کارناموں سے بھرا پڑا ہے۔

میں سال کا پہلا مہینہ ہوں۔ نہ جانے کیوں مجھے دیکھتے ہی لوگوں کے منہ پر بارہ بج جاتے ہیں ایسا نہ کریں۔

محرم محترم، عزت والے کو کہتے ہیں، خدا کا خوف کریں ہر دن مہینے کی قدر کریں۔

محرم کے بعد صفر نے اپنا تعارف یوں کروایا کہ بہت دکھ اور افسوس کا مقام ہے جو تم لوگ مجھے منحوس سمجھتے ہو اور کسی طرح کی خوشی نہیں کرتے۔ مجھے بھی اسی اللہ نے بنایا ہے جس نے آپ لوگوں کو وجود دیا ہے اس لئے میرے بارے میں جو آپ لوگ توہم پرستیاں یاد کرکے بیٹھے ہیں وہ سب دشمن اسلام کی طرف سے ہمیں کوئی دن یا مہینہ برا نہیں ہوتا، یہ سب انسان کے اپنے بُرے عمل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ خدا حافظ

اب جیسے ہی ربیع الاول مائیک پر آیا تو لوگوں کا ہجوم کھڑا ہو گیا۔

استقبال کے لئے ہر طرف سے صدائیں بلند ہونے لگیں ''سرکار کی آمد، مرحبا مرحبا'' ربیع الاول نے سب کو خاموش ہونے کا کہا اور سب کو اپنی جگہ پر بیٹھنے کی تاکید کی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب شور ختم ہوا اور ہر طرف خاموشی ہوئی تو ربیع الاول کہنے لگا:

''دیکھو! تم لوگ میرا بہت غلط طریقے سے استقبال کر رہے ہو، کل قیامت والے دن آپ لوگوں کی وجہ سے مجھے شرمندگی اٹھانی پڑنی ہے'' سارے لوگ حیران ہوئے، لوگوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے، لوگوں کی حیرانگی دیکھ کر ربیع الاول کہنے لگا۔

''جیسے آپ لوگ میرے آنے پر خوشیاں مناتے ہو، پہلے یہ بتاؤ، ایسا کبھی کسی صحابی نے ایسا کیا؟ جہاں پر حضور پرنور ﷺ کی آمد کی برکات مجھے ملی ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ کے جانے کا غم بھی تو مجھے ملا ہے۔ میں کس کس صحابی کے غم کا ذکر کروں۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے غم کا ذکر کرسکوں۔

بس یہی کہنا ہے کہ اگر واقعی حضور اکرم ﷺ سے محبت و عشق کرتے ہو تو اپنی زندگی کو حضور اکرم ﷺ کی اطاعت میں لے آؤ۔ بس یہی کامیابی ہے۔''

پھر ربیع الثانی نے بھی اللہ پاک کا شکر ادا کرنے کی بات کی۔

جمادی الاول نے بھی دنیا عارضی ہے، ہر

منٹ ہر لمحہ غنیمت جانو کا درس دیا۔

جمادی الثانی نے تو کمال کر دیا۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل اور نسبت رسول اللہ ﷺ سے لوگوں کے دلوں کے چار چاند لگا دیئے۔

رجب نے اپنا تعارف ''شہر اللہ'' کی نسبت سے کروایا اور ساتھ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنی نسبت کو جوڑا۔ معراج النبی ﷺ ہر امت کو اللہ پاک کی طرف سے ملنے والا تحفہ نماز کی یاد دہانی کروائی۔

شعبان المعظم نے اپنا تعارف شب برأت کے نام سے کروایا کہ اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہیں اللہ پاک کی رحمت بہت وسیع ہے وہ آپ کی سچی توبہ کو قبول کرنے والا ہے۔

شعبان کی بات مکمل ہوئی ہی تھی کہ لوگ رمضان المبارک کے استقبال میں کھڑے ہو گئے رمضان نے آتے ہی لوگوں کو بیٹھنے کا کہا اور اپنا تعارف قرآن پاک کے نام سے کروایا:

''میں وہ مہینہ ہوں جس میں قرآن پاک نازل ہوا۔ ہر نیکی کا اجر بڑھا دیتا ہوں۔ ہر طرف رزق کی فراوانی ہوتی ہے۔ لیکن افسوس ہے ان لوگوں پر جو رمضان میں بھی اپنی نیکی کرنے سے محروم رہتے ہیں۔ افسوس ہے ان پر جن کا گناہ رمضان میں بھی رکتے نہیں ہیں۔

اے لوگو! میں وہ رمضان ہوں، جس میں اسلام کی سب سے پہلی جنگ غزوہ بدر ہوئی فتح مکہ جیسی عظیم فتح بھی رمضان ہی کے حصے میں آئی ہے، اس لئے جب رمضان کا مہینہ آئے تو مجاہدین اسلام کو بھی یاد کر لیا کرو اپنے مالوں کو اپنی زکوۃ خیرات دے کر محفوظ کر لیا کرو۔

میں جب جانے لگتا ہو تو طاق راتوں کا تحفہ لیلۃ القدر کی رات کی شکل میں دے کر جاتا ہوں، آپ سے درخواست ہے آخری گھڑی تک قدر آپ کریں۔

اللہ پاک آپ سب قدر کرنے والوں کی مغفرت فرمائے۔ آمین''

شوال المکرم نے آتے ہی سب کو عید مبارک کہا اور بہت سی دعائیں دیں اور ساتھ ہی اپنے چھے روزوں کی یاد دہانی کروائی کہ ان کا اہتمام پورے سال کے روزے رکھنے جیسا ثواب ملتا ہے۔

ذیقعدہ نے اپنا تعارف اپنے دوسرے تین بھائیوں کے ساتھ کروایا کہ دیکھو ہم چار مہینے ہیں، جن کو حرمت والے مہینے کہا جاتا ہے۔

ایک شعبان سے پہلے گزرنے والا مہینہ جسے رجب کہا جاتا ہے، دوسرا میں ہوں۔ میرے بعد ذوالحجہ اور محرم کے مہینے ہیں اور بے شمار صفات اللہ پاک نے میری جھولی میں ڈالی ہیں لیکن جو

صلح حدیبیہ والا واقعہ ہے وہ مجھے بہت تڑپا جاتا ہے۔

ایک حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بدلے میں چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیعت لی جارہی ہے کہ ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لیں گے۔ یہ تھی ایک مسلمان کی شان، آج بہت دکھ ہوتا ہے جب ہر طرف مسلمانوں کا لہو پانی کی طرح بہہ رہا ہے۔ مسلمانوں کی عزت و مقام بہت ضروری ہے، ورنہ کافر تمہیں تمہاری مسجدوں سے بھی نکال دیں گے۔

اللہ پاک پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے حال پر رحم فرمائے۔

ذیقعدہ کے بعد ذوالحجہ کی باری آئی۔ ذوالحجہ نے کہا کہ میں کسی قسم کی تعریف کا محتاج نہیں ہو۔ میرے آنے سے کئی دن پہلے مسلمان حج جیسے فریضہ کی ادائیگی کی ترتیب بنانے لگتے ہیں اور گلی محلوں میں قربانی کے جانوروں سے بازار سج جاتے ہیں وہ لوگ بہت خوش قسمت ہیں جو حج کی ادائیگی صرف و صرف اپنے رب کو راضی کرنے کے لئے کرتے ہیں۔

قربانی جیسے عمل کو بھی محبوب سمجھ کر کرتے ہیں کئی ایسے گھرانوں تک میری برکت سے گوشت پہنچ جاتا ہے جہاں پورا سال گوشت نہیں پہنچتا۔ یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعاؤں اور قربانیوں کا نتیجہ ہے۔

ذوالحجہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا بھی تعارف کروایا اور امت کو یک جان ہونے کی دعوت دی اور سب سے اجازت مانگی۔

ذوالحجہ کے بعد میزبان مائیک پر آ کر کہنے لگا۔

”جی حضرات! آپ نے بکرمی سال اور مہینوں کی بات بھی سنی، عیسوی سال اور مہینوں کی بات بھی سنی لیکن جو گفتگو، ہجری سال اور مہینوں نے کی ہے وہ کمال کی گفتگو ہے۔“

میزبان نے ابھی یہ کہا ہی تھا کہ ،بکرمی، سال اپنے مہینوں کے ساتھ غیب پایا اور جب عیسوی سال کو دیکھا تو وہ بھی اپنے مہینے ڈھونڈ رہا تھا۔

”لیکن جو درس ہجری مہینوں نے دیا وہ واقعی ہی سچ میں امت کے خیر خواہ نظر آئے۔ ان شاء اللہ آپ سب وعدہ کرو کہ اب جب بھی تاریخ لکھنے کی ضرورت آئے گی تو ہجری تاریخ کو ترجیح دیں گے۔“

سب لوگوں نے ہاتھوں کو اٹھا کر وعدہ کیا اور دعاؤں کے ساتھ مہینوں سالوں کی کانفرس اپنے اختتام کو پہنچی۔

****



السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

کیسے ہیں آپ سب میرے دوستو! انومنو لے کر آئی ہے آپ سب کے لیے منفرد مہمان کا انوکھا انٹرویو۔۔۔

ہمارے اس سلسلے کو کئی ماہ ہو چکے ہیں۔ اس سلسلے کو جاری رکھنا اللہ کی مدد اور آپ سب کی پسندیدگی کے بغیر ناممکن تھا۔ آپ اس سلسلے کو مزید پڑھنا چاہتے ہیں تو مجھے ضرور بتائیے گا۔ چلیے ملتے ہیں اپنے آج کے مہمان سے۔

انومنو: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مہمان: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

انومنو: کیسے حال احوال ہیں؟

مہمان: اس کا جواب تو آپ اور آپ کے قارئین اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں کس حال میں ہوں۔

انومنو: جی۔۔۔ وہ۔۔۔ اللہ سب بہتر کرے گا ان شاءاللہ۔ آپ اپنا نام بتائیے تاکہ میرے دوست آپ کو پہچان سکیں۔

مہمان: میرا نام ہے اسلامی جمہوریہ پاکستان

انومنو: آپ کے بارے میں تو ہم سب ہی بہت کچھ جانتے ہیں۔ لیکن پھر بھی آپ کی زبانی سننا چاہتے ہیں۔

مہمان: میں زمین


انعم توصیف

کا وہ حصہ ہوں جس پر آپ سب اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔ سالوں

پہلے میرے ہونے کا خواب علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا تھا، جسے اللہ نے قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے پورا کروایا۔

انو منو: کیا اکیلے قائد اعظم نے آپ کو بنالیا؟

مہمان: جی نہیں، قائد اعظم کی رہنمائی میں لاکھوں مسلمانوں نے جان و مال کی قربانی دے کر علامہ اقبال کے خواب کو پایہ تکمیل تک پہنچایا تھا اور آج میں آپ سب کے سامنے ہوں۔

انو منو: آپ کی تکمیل کو کتنے سال مکمل ہوئے ہیں؟

مہمان: 14 اگست 1947 کو میں وجود میں آیا تھا اور تب سے اب تک 75 سال مکمل ہو گئے ہیں۔

انو منو: آپ کا نام کس نے رکھا تھا؟

مہمان: میرا نام چودھری رحمت علیؒ نے رکھا تھا۔

انو منو: اللہ آپ کو اپنے نام کی طرح ہی پاک رکھے۔

مہمان: آمین! پاک تو جب رہوں گا جب مجھے جس کے نام پر آپ مسلمانوں نے حاصل کیا ہے اس کے اصول و ضوابط مجھ میں رائج کیے جائیں۔

انو منو: میں سمجھی نہیں۔ کس کے نام کی آپ بات کر رہے ہیں؟

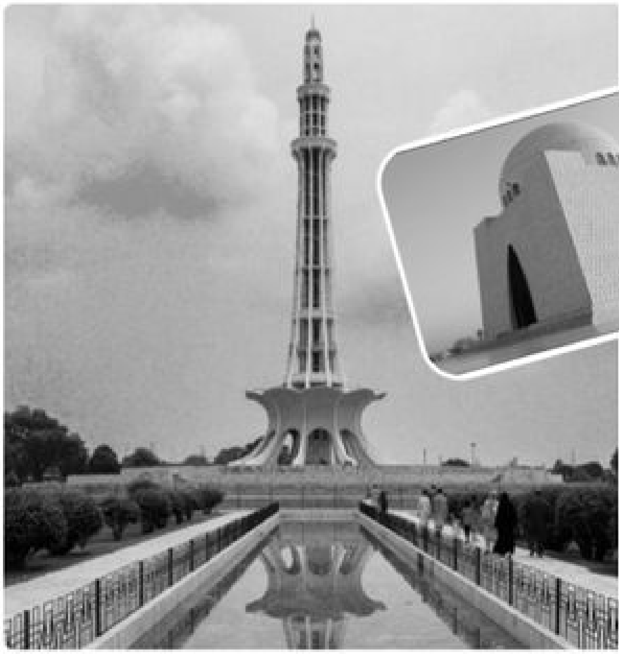
مہمان: جی! دراصل آپ مسلمانوں نے مجھے اس لیے حاصل کیا تھا تاکہ آپ ہندوؤں اور انگریزوں کے خوف کے بغیر، آزادی کے ساتھ اسلام کے اصولوں پر عمل پیرا ہو کر زندگی بسر کریں۔ تو ایک طرح سے دیکھا جائے تو اسلام کے نام سے مجھے آزاد کرنے کی یہ نیت ہی تھی کہ جس کی وجہ سے اللہ نے آپ مسلمانوں کی مدد فرمائی تھی۔ میں اسلامی مہینے کے حساب سے رمضان المبارک کی بابرکت رات میں آزاد ہوا تھا۔

انو منو: بالکل! آج ہم کشمیر کے مسلمانوں کا حال دیکھتے ہیں، تو ہمیں آپ کی قدر ہوتی ہے۔

مہمان: قدر... آپ قدر کی بات کر رہی ہیں۔ انو منو! میں آپ کو سچ بتاؤں۔ آپ میں سے کئی لوگ میری قدر تو دور کی بات ہے بلکہ مجھے برا بھلا تک کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس ملک میں رکھا ہی کیا ہے۔

انو منو: آپ دل برداشتہ نہ ہوں۔ اب بھی بہت سے آپ کے قدر دان آپ کی سرزمین پر موجود ہیں۔ آپ ہیں ہی اتنے خوب صورت۔ کچھ اپنے بارے میں بتائیے۔

مہمان: الحمدللہ! میں قدرتی وسائل سے زرخیز ملک ہوں۔ اللہ نے مجھے بہت خوبصورت بنایا ہے۔ میرے چار صوبے ہیں سندھ، پنجاب،





بلوچستان اور خیبر پختونخوا۔ میں مدینہ کے بعد وہ دوسری ریاست ہوں جو اسلام کے نام پر حاصل کی گئی۔

انو منو: آپ ہمارے بہت پیارے وطن ہیں۔کیا وطن کے متعلق آپ کوئی حدیث مبارکہ جانتے ہیں۔

مہمان: آپ نے تو میرے منہ کی بات چھین لی۔میں ابھی آپ سے یہ ہی گزارش کرنے والا تھا کہ مجھے حدیث مبارکہ سنانے کا موقع دیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت کے موقع پر مکہ مکرمہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

تُو کتنا پاکیزہ شہر ہے اور مجھے کتنا محبوب ہے! اگر میری قوم تجھ سے نکلنے پر مجھے مجبور نہ کرتی تو میں تیرے سوا کہیں اور سکونت اختیار نہ کرتا۔”

اس فرمان پر غور کریں تو آپ کو علم ہو کہ وطن سے محبت ایک فطری چیز ہے۔رسول اللہ ﷺ کو دنیاوی چیزوں سے ذرا بھی لگاؤ یا رغبت نہیں تھی۔نہ ہی آپ ﷺ نے دنیا سے محبت کی تعلیم دی ہے مگر انسان کی فطرت ہے کہ جس جگہ وہ رہتا ہے اسے وہاں سے محبت و انسیت ہوتی ہے۔اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وطن سے محبت سراسر جائز عمل ہے۔تو میرا قارئین سے سوال ہے کہ آپ میں سے اکثر کیوں مجھ سے محبت کرنے کے بجائے، مجھ سے خفا رہتے ہیں۔کیا جو میرے حالات ہیں، وہ میرا کیا دھرا ہے؟

انو منو: بہت پیاری بات سمجھائی ہے آپ نے۔امید ہے میرے دوست آپ کی بات کو سمجھیں گے۔آپ افسردہ نہ ہوں۔یہ بتائیں ہم آپ کے لیے کیا کریں کہ آپ خوش ہو جائیں۔

مہمان: میرے اندر اسلام کے مطابق

زندگی گزارنی کی کوشش کیجیے۔ یہ مت سوچیے کہ آپ کچھ بڑا ہی کریں گے میرے لیے، چھوٹے چھوٹے اچھے کام آپ سب کرتے چلیں جائیں گے تو ان شاء اللہ ایک دن میرے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔

انو منو: چھوٹے چھوٹے اچھے کام؟ اس کا مطلب بھی سمجھا دیجیے۔

مہمان: جیسے آپ اپنے آس پاس کے ماحول کو صاف رکھنے کی کوشش کریں، آپ اپنے اندر سے اخلاقی برائیاں ختم نہیں تو کم کرنے کی کوشش کریں، آپ کوئی بھی کام کریں اس میں ایمان داری کا خاص خیال رکھیں۔ سچ بولیں، وقت کو ضائع مت کریں، اپنی صحت کا خیال رکھیں، دنیاوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم پر بھی توجہ دیں۔

انو منو: لیکن ان سب کاموں میں تو ہمارا فائدہ ہے۔ اس میں آپ کا کیا فائدہ؟

مہمان: جب آپ اچھے ہوں گے۔ تب ہی تو میں بھی اچھا کہلاؤں گا۔ آج اگر دنیا میں مجھے کہیں برا کہا جائے گا تو اس وجہ سے کہ مجھ میں رہنے والے کوئی غلط کام کر رہے ہوں گے۔ آپ اچھے کام کریں گے تو میں بھی اچھا کہلاؤں گا۔

انو منو: ان شاء اللہ! ہم سب اچھے کام کرنے کی کوشش کریں گے۔

مہمان: مجھے جاننے کے لیے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ میرے یہاں آنے کا مقصد آپ سب دوستوں کو بس چند اہم باتوں کی طرف متوجہ کروانا تھا۔

انو منو: جی بالکل! ہم سب آپ کی باتوں کو بہت اچھی طرح سمجھ چکے ہیں۔ کیا آپ ہمارے قارئین کو کوئی پیغام دینا چاہیں گے۔

مہمان: میرا پیغام یہ ہی ہے کہ میری قدر کریں، میرے ہونے پر اللہ کا شکر ادا کریں۔ ناقدری اور ناشکری سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں۔ مجھ میں نفرتیں نہیں محبتیں پھیلائیں۔ آپ اپنے اعمال اچھے کریں گے تو میرے حالات خود بخود اچھے ہوتے چلے جائیں گے۔ اب مجھے اجازت دیجیے۔ اللہ حافظ

پیارے ساتھیو! یہ تھے ہمارے آج کے مہمان۔ ان کی باتوں کو سن کر دل اداس ہو گیا ہے۔ امید ہے جلد وہ وقت آئے گا جب پاکستان میں خوشحالی لوٹ آئے گی اور یہ اداسی ہمیشہ کے لیے دور ہو جائے گی۔ مگر اس کے لیے ہم سب کو مل کر محنت کرنی ہوگی۔ اللہ ہمارے وطن کو سدا آباد رکھے اور اسے دوبارہ سے شاد کر دے۔ آمین

اب انو منو کو دیجیے اجازت۔ اللہ حافظ
دعاء دیجیے، دعاء لیجیے اور دعاء کیجیے۔

****

اصل آزادی

’’بیٹا! یہ کیا حرکت ہے؟ تم نے موٹر بائیک کا سائلنسر اُتارا ہوا ہے، یہ تمہارے ہاتھ میں کس قسم کے باکس اور پیکٹس ہیں؟ کیا کرنے جا رہے ہو؟‘‘

’’ابو جی! آپ کو تو پتہ ہے آج 13 اگست ہے، آج شب آزادی اور کل یوم آزادی ہے، ہمارا ملک آزاد ہوا، کتنی خوشی اور مسرت کا یادگار دن ہے اور وطن سے محبت کا تقاضا ہے کہ ہم خوب خوشی کا اظہار کریں، ببانگ دہل کریں، آزادی کی دھوم زور و شور سے مچائیں، اب وہ دور نہیں رہا کہ ہم کسی سے ڈریں، ہم آزاد قوم ہیں، نیا دور ہے، خوشی منانے کے نئے نئے انداز متعارف ہو چکے ہیں۔

ہم دوستوں نے آج کی رات بڑا زبردست پروگرام بنایا ہوا ہے۔ خوب ہلہ گلہ ہوگا، پیچ شہر کے چوراہے میں ٹریفک جام ہوگی، میوزک ہوگا، ڈانس ہوگا اور خوب ہلڑ بازی ہوگی، موٹر سائیکلوں کی ریس لگے گی، سائلنسر اور باجوں کی دل بہلا



بنت عبدالہادی

دینے والی آوازوں میں پوری قوم جاگ اٹھے گی، پھل جھڑیاں ہوں گی، شُرلیاں پٹاخے ہوں گے، دھوم دھڑکا ہوگا، دوستوں کی موجیں ہوں گی، لڑکیاں ہوں گی اور رنگ برنگے کولڈ ڈرنک اور کھانے ہوں گے، سوشل میڈیا کے پلیٹ فارم پر براہ راست ٹرانسمیشن کے ذریعے پوری دنیا کو دکھا دیں گے کہ ہم زندہ قوم ہیں، پائندہ قوم ہیں، بڑا زبردست اور ہمیشہ یاد رہنے والا موقع ہوگا، آپ بھی دیکھئے گا بڑا مزہ آئے گا''

''بیٹا! میں آپ کی باتیں ٹھیک طریقے سے سمجھ نہیں پا رہا، یہ آج کیسی زبان استعمال کر رہے ہو؟''

''ابو جی! ایسے نہ کریں! اب میں بڑا ہوگیا ہوں، اب ہمارا بھی دوستوں کا ایک سرکل ہے، ہماری بھی زندگی ہے، ہمیں بھی اب اپنی زندگی میں آزادی سے جینا ہے، یہ لمحے اور یہ خاص دن کوئی روز روز تھوڑی نہ آتے ہیں؟''

''بیٹا! وہ آپ کی بات ٹھیک ہے، آپ جوان ہوگئے ہیں۔ آپ کو بھی اپنی مرضی سے جینے کا حق ہے مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں ہم مادر پدر آزاد ہو جائیں اور طوفانِ بدتمیزی برپا کر دیں''

''ابو جی! اس میں بدتمیزی والی کیا بات ہے، ہر طرف خوشیوں کا سماں ہے، مسرتوں کے فوارے بلند ہو رہے ہیں، ہر فرد شاداں و فرحاں ہے، ہم سب ایک دوسرے کی خوشیوں میں شریک ہو رہے ہیں''

''بیٹا! شائد آپ آزادی کے مفہوم سے نابلد ہیں اور ایسا لگتا ہے ہم آزادی کی روح تک ابھی نہیں پہنچ پائے۔ آپ کے دادا مرحوم اگر زندہ ہوتے تو یہ باتیں سن دیکھ کر جیتے جی مر جاتے''

''ابو جی! آپ بہت مشکل قسم کی باتیں کرنا شروع ہوگئے ہیں جو کہ میرے سر سے گزر رہی ہیں''

''بیٹا! ادھر میرے پاس آکر بیٹھو! اور میری کچھ گزارشات غور سے سنو! اس کے بعد تمہاری مرضی ہے کہ کیا انداز اختیار کرتے ہو''

''جی ابو جی! ارشاد فرمائیے!''

''ایک وطن اور قوم کی آزادی اس بات میں ہے کہ وہ قوم اپنے رہن سہن، اپنی معاشرت، اپنے مذہبی معاملات عبادات، رسم ورواج، اپنے طور طریقے اس طرح سرانجام دیں کہ ان کو کوئی روک رکاوٹ نہ ہو، جبر وزبردستی نہ ہو، کوئی غیر فطری قانون نہ ہو، مظلوم کو انصاف ملے، حق کا بول بالا ہو، قوم کے معمولاتِ زندگی میں کسی غیر کا تصرف نہ ہو، کیا خیال ہے؟ ایک قوم ہونے کے ناطے ہمارا بھی کوئی کلچر رہن سہن معاشرت ہونی چاہئے''

''جی ابو جی! میں سمجھ رہا ہوں''

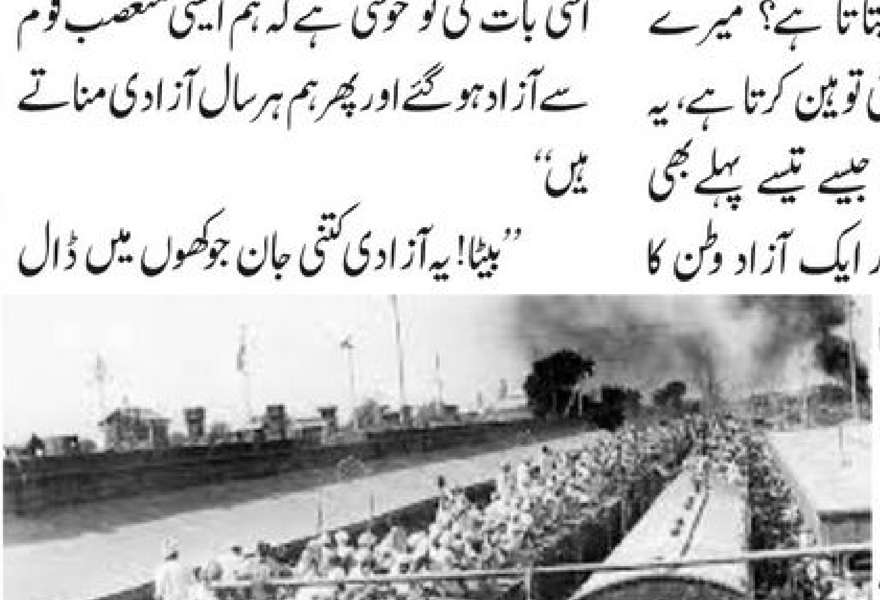
''بیٹا! ہم مسلمان ہیں، ہم ایک خدا پر یقین رکھنے والے ہیں، ایک نبی کا کلمہ پڑھنے والے، ایک پیارے سچے دین اسلام کے پیروکار ہیں، ہمارا ابھی ایک ضابطہ حیات ہے۔اسے کہتے ہیں اسلامی زندگی، تم اسے اسلامی کلچر کہہ سکتے ہو؟''

''جی بالکل''

''بیٹا! جس آزادی کی خوشیوں میں ہم مگن ہیں، اس کے بنیادی مقصد پہ اگر غور کرلیں تو ہم کبھی بھی یہ انداز اختیار نہ کریں، کیا ہمیں پہلے روٹی نہیں ملتی تھی؟ ہمیں رہنے کو مکان نہیں تھے؟ ہمیں سواری میسر نہیں تھی؟ پہننے کو کپڑے میسر نہیں تھے؟ آج جو پاکستان کے بننے کی وجہ روٹی کپڑا مکان کو بنیادی وجہ بتاتا ہے؟ میرے حساب سے وہ ملکِ عزیز کی توہین کرتا ہے، یہ سب چیزیں تو رو دھو کے جیسے تیسے پہلے بھی حاصل تھیں، کیا تقسیمِ ہند اور ایک آزاد وطن کا معرضِ وجود میں آنے کا مقصد یہ تھا؟ اصل بات یہ کہ ہماری اپنی اسلامی روایات ہیں، اپنی ایک تہذیب ہے، اسلام کا اپنا ایک تشخص ہے، ہمارا اپنا رہن سہن ہے۔ہم اپنے دینی معاملات میں کسی غیر کی دخل اندازی ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر اسلام یا بانئ اسلام، مسجد، محراب و منبر کی توہین ہوگی، اسلامی شعار کا مذاق بنا جائے گا۔اگر کسی دینی و پاکیزہ مجالس پر نجاست پھینکی جائے۔ چادر و چاردیواری کا تقدس پامال کیا جائے۔ پردے کا تمسخر اُڑایا جائے۔ ہماری عزتیں، جان، مال، ایمان، محفوظ نہ ہوں اور ساتھ اس کے ظلم وستم کی آندھیاں توڑی جائیں تو ایک مسلمان کی غیرتِ ایمانی ان باتوں کو کبھی بھی برداشت نہیں کرے گی۔یہی وہ شرپسند عناصر ہیں جس کی وجہ سے آزاد ملک کا حصول ناگزیر ہوتا چلا گیا۔

''جی بالکل! آپ کی بات حق بجانب ہے، اسی بات کی تو خوشی ہے کہ ہم ایسی متعصب قوم سے آزاد ہوگئے اور پھر ہم ہر سال آزادی مناتے ہیں''

''بیٹا! یہ آزادی کتنی جان جوکھوں میں ڈال



کر حاصل کی ہے اور جس مقصد کے لیے حاصل کی اگر آپ یہ جان جان جائیں تو کبھی بھی ایسی غلاظتوں سے یومِ آزادی کو نہ منائیں‘‘

’’کیا مطلب؟‘‘

’’بیٹا! اس آزادی کی خاطر ہمارے بڑوں نے بڑی قربانیاں دیں، اپنے گھر بار چھوڑ دیئے ،اس آزادی کے لیے ماؤں نے اپنے لختِ جگر قربان کئے، انگریزوں نے آزادی کی تحریک کو روکنے کے لیے سرِ عام پھانسیاں دیں، ہاتھ پاؤں کاٹ کر کتوں کے آگے ڈال دیا گیا، کئی کئی میل تک مسلمانوں کی لاشوں کو درختوں سے لٹکا دیا گیا، مسلمانوں کے ہزاروں کے جلسے پر گولیاں برسا کر سب کو ہلاک کر دیا گیا، توپوں کے منہ پر علماء کو باندھ کر توپیں چلا دیں گئیں اور تو اور جس نے اس تاریخ کو لکھنے کی کوشش کی، اس کو تحریر و تاریخ سمیت بے دردی سے صفحہ ہستی سے ہی مٹا دیا گیا۔ آزادی کا حق چھیننے کے لیے جو ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے، رہتی دنیا تک اس کی مثال نہیں ملتی۔

تمہارے دادا جان بتاتے ہیں کہ ہمارا لٹا پٹا قافلہ جب گورداسپور سے پاکستان روانہ ہوا تو ایک جگہ ٹرین کھڑی نظر آئی۔ جیسے ہی اس کے قریب پہنچے تو گوشت جلنے کی شدید بو آ رہی تھی۔ اگست کی گرمی کا مہینہ تھا۔ بھوکے پیاسے لوگوں نے اس طرف رخ کیا، شائد کوئی آگے بڑھنے یا کھانے پینے کی کوئی سبیل نکل آئے۔ جب آگے بڑھ کر درختوں کی اوٹ میں جا کر دیکھا تو وہاں ہزاروں مسلمانوں کی لاشیں جل رہی تھی۔ جن میں کچھ ادھ جلے لوگ بھی چیخ رہے تھے۔ سکھوں ہندوؤں نے ٹرین میں موجود مسلمانوں کا قتل عام کرنے کے بعد تمام زخمی عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو ایک جگہ اکھٹے کرنے کے بعد آگ لگا دی تھی۔ ہم جوان تھے۔ اپنے مسلمان بھائی بہنوں کا یہ حال دیکھ کر ہم سے رہا نہیں گیا کہ آگے بڑھ کر ان بے کسوں کی امداد کرتے مگر ارد گرد خوف کا ایسا عالم تھا کہ قافلے والوں نے آگے بڑھنے سے روک دیا۔

سبھی یہی کہنے لگے ہم سب نہتے ہیں، ہم کمزور ہیں، اپنا دفاع کرنے کے لیے ہمارے پاس کچھ نہیں۔ بس کسی طرح اپنی جانیں بچانے کی فکر کریں اور نکلنے کی کوشش کریں۔ وگرنہ ہم بھی مار دیئے جائیں گے۔ گورداس پور سے شکر گڑھ تک ہمیں ہر طرف مسلمانوں کی بکثرت کٹی پھٹی لاشیں دیکھنے کو ملیں مگر افسوس ہمارے پاس اتنا بھی وقت نہیں تھا کہ ایک مٹھی خاک بھی ان پہ ڈال کر دفنانے کا حق ادا کرسکیں۔ بے حس درندوں سے عزتیں بچانے کے لیے ماؤں نے اپنی ہاتھوں سے اپنی بیٹیوں کی گلے گھونٹ دیئے۔ مسلم بچیوں نے اپنی آبرو کی حفاظت کے

لیے مکانوں سے چھلانگیں لگا دی۔ پنجاب کے کنویں، دریا مسلم بچیوں کی لاشوں سے بھر گئے۔

ایک ہمارے چچا کا بیان ہے کہ ہم سکھوں سے بچنے کے لیے ایک مسجد میں جا کر پناہ گزیں ہو گئے اور حجرے میں چھپ کر اندر سے کنڈی لگا لی۔ اچانک آدھی رات کے وقت مسجد کے احاطے میں عورتوں بچوں مردوں کی چیخوں کا ایک طوفان برپا ہو گیا۔ ہم ڈرتے کانپتے رہے، حجرے کا دروازہ بالکل نہیں کھولا۔ صبح تک جب چیخوں کا طوفان بالکل تھم چکا تھا، ہم نے دروازہ کھولا تو ہمارے دل دہل گئے کیونکہ ساری مسجد مسلمانوں کی لاشوں کے اوپر تلے ڈھیر سے بھری پڑی تھی۔ کوئی کونہ ایسا نہیں تھا جہاں لاشیں یا خون کے فوارے نہ موجود ہوں۔

بس! بس! بیٹا! (آنسو پونچھتے ہوئے) ظلم و ستم کی ایسی سینکڑوں داستانیں ہیں، جو اس یومِ آزادی کی نذر ہو چکیں اور آج ان کو کوئی یاد نہیں کرتا۔ ان بزرگوں نے جس مقصد کے لیے ایک آزاد وطن کی خواہش کی، آج اس مقصدِ عظیم کو بھلا کر ہم پھر سے نفسانی خواہشات کے اسیر ہو کر رہ گئے۔

ہم آزاد ہو کر بھی آزادی حاصل نہیں کر سکے۔ ہم لوگ جس بگڑی تہذیب و رسم و رواج سے بے زار ہو کر آزاد وطن کے خواہاں تھے، آج انہی بے ہودہ جہالت بھرے ماحول میں پھر سے بخوشی لوٹ رہے ہیں۔ کل تک اغیار، ہماری بچیوں کو نچواتے تھے، ہمیں لُوٹتے اور ہمارے دینی شعائر کا مذاق بناتے تھے۔ ہمیں مارتے پیٹتے اور ہمارے حق پر ڈاکہ ڈالتے تھے، آج وہ سارے کام ہم از خود اپنے ہاتھوں سے سرانجام دیتے ہیں۔ یہ کس بات کی آزادی ہے؟

ہونا تو یہ چاہئے کہ یومِ آزادی پر ہم اپنے آزاد ملک کی تعمیر و ترقی کے منصوبے بنائیں۔ اپنے ماضی میں ہونی والی غلطیوں، خطاؤں اور گناہوں کا کفارہ ادا کریں، استغفار کریں۔ ایک قوم بن کر جینے کا عہد کریں۔ اتحاد و اتفاق اور ملی یکجہتی کا ثبوت دیتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ حسنِ سلوک سے رہنے کے عہد و پیماں کریں۔ روٹھے ہوؤں کو منائیں۔ اپنے شہید بزرگوں کی ارواح کو احسن طریقوں سے خراجِ تحسین پیش کریں۔

کوئی بھی شخص اپنے آباؤ اجداد کی برسی پر موٹر سائیکل کا سائلنسر نکال کر ایصالِ ثواب نہیں کرتا۔ ضرورت ہے کہ اُن کے لیے بلندی درجات کی دعاء کرتے ہوئے ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی اپنے لیے دعائیں مانگیں۔ ایک دوسرے کو بلکہ اپنے بچوں اور آنے والی نسلوں کو آزادی کے درست مفاہیم و معانی سے آگاہ

کریں۔لیکن ہم غفلت بھرے پروگرام مرتب کرنے میں مشغول ہیں۔

بیٹا! میں کوئی عالم نہیں لیکن یہ بات درست ہے کہ جو روش، آپ یومِ آزادی کے نام پر اختیار کرنے جارہے ہو، ایسے خرافات کی ہمارے دین میں بالکل اجازت نہیں۔اس میں کئی کام، حرام و ناجائز، فضول خرچی، حقوق العباد میں حق تلفی اور عام لوگوں کو پریشان کرنے والے ہیں۔

(تھوڑی دیر خاموشی چھائی رہی)

''ابو جی! مجھے ان ساری باتوں کا صحیح معنوں میں علم نہیں تھا۔آج آپ نے میری آنکھیں کھول دیں۔ہمیں تو کسی نے ایسے انداز سے بتایا ہی نہیں۔بس فقط آزادی کے نغمے سنتے اور نعرہ لگاتے رہے۔

آج آپ نے بتایا کہ اصل آزادی کیا ہے۔

ابو جی بے فکر رہیں، میں آج ہی اپنے دوستوں کو اکٹھا کر کے ان کو سمجھاؤں گا بھی اور منع بھی کروں گا کہ ایسے افعال سے باز آجائیں جس سے آزادی کی توہین ہو''

''شاباش میرا بیٹا! اسی کا نام عقل مندی ہے۔اپنی سوچ سمجھ بوجھ کا معیار اور محور و مرکز خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سچے دین کو بناؤ اور آزادی اسی کا نام ہے کہ اللہ و رسول کے تابع فرمان بن کر رہو۔دنیا میں بھی کامیاب ہو جاؤ گے اور عاقبت بھی سنور جائے گی۔

****



’’ویٹر! ویٹر! ویٹر!‘‘

مسٹر یوزفل آنکھیں بند کیے خشوع وخضوع سے چلا رہے تھے۔ان کے چہرے کے زاویے یوں بدل رہے جیسے کڑوی دوا پینے کے بعد بدلتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان پہ جلالی کیفیت بھی طاری ہوتی جارہی تھی۔ ان کی یہ وجدانی کیفیت دیکھ کر دو ویٹر حواس باختہ ہو کر ان کی طرف دوڑے۔

’’سر! سر! آپ ٹھیک تو ہیں؟‘‘ ایک ویٹر نے بوکھلائے ہوئے انداز میں پوچھا

اس کی بات سن کر مسٹر یوزفل نے آنکھیں کھولیں اور اسے کھا جانے والی نگاہوں سے گھورا۔

’’ٹھیک کے بچے! میں اس ہوٹل میں کب سے بیٹھا سوکھ رہا ہوں؟‘‘ وہ جلے کٹے لہجے میں بولے

’’سر! ایک گھنٹے سے لیکن۔۔۔‘‘

ویٹر کہتے کہتے رک گیا،اس کے چہرے پہ تبسم اور بھولپن کا چھینٹا سا پڑ گیا تھا۔

’’لیکن کیا؟‘‘ وہ جھٹکے دار لہجے میں بولے اور ویٹر کے چہرے سے مسکراہٹ گدھے کے سر سے سینگ کی مانند غائب ہوگئی، تاہم وہ پیچھے ہٹنے والا نہیں لگ رہا تھا، چنانچہ وہ چوٹ کرتے ہوئے بولا:

’’لیکن سر آپ سوکھ تو نہیں رہے۔آپ تو خوب سیراب ہو رہے ہیں،اس وقت تک آپ پانی کے تین جگ تو پی چکے ہیں ماشاءاللہ۔‘‘

ویٹر نے یہ بات اگرچہ بطور مزاح کہی تھی مگر ہانسی کے گل پھانسی کے مصداق نتیجہ یہ نکلا کہ مسٹر یوزفل کا پارہ ہائی ہوگیا۔ وہ کسی اسپرنگ کی طرح اچھل کر کھڑے ہوگئے اور چلانے لگے:

’’ارے نا ہنجار !نالائق !نکمے! تو تُو مجھے تاک کے بیٹھا ہوا تھا،کیا نظر لگانا چاہتا تھا؟ غضب خدا کا اب پانی کے گھونٹ بھی گننے لگے ہیں لوگ۔‘‘ وہ ہاتھ نچاتے ہوئے کہہ رہے تھے اور دونوں ویٹرز خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹتے جارہے تھے۔

یہ شور سن کر ہیڈ ویٹر وہاں آن پہنچا،اس نے

مسٹر یوزفل سے پوچھا:

''محترم سر! پلیز آپ بیٹھ!۔۔۔''

اس کا فقرہ درمیان میں رہ گیا، کیونکہ مسٹر یوزفل نے اس کی بات کاٹ دی تھی اور اب وہ پھر سے نان سٹاپ بولنے لگ گئے تھے:

''بیٹھ جاؤں اور مزید دو گھنٹے سڑتا رہوں، پتہ نہیں تم لوگ اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو، جب سے تمہاری فرائی فش والی ڈش مشہور ہوئی ہے، خوب اکڑ کر پھر رہے ہو، کسٹمرز کو تو پوچھتے ہی نہیں ہو، اب میں ایک گھنٹے سے بیٹھا سڑ رہا ہوں مگر مجھ تک میرا آرڈر ابھی تک بھی نہیں پہنچا، حد ہوگئی!!''

''سر! سر! آپ مجھے بولنے کا موقع تو دیں''

ہیڈ ویٹر نے چہرے پہ کاروباری مسکراہٹ سجانے کی ناکام کوشش کی۔

''لو جی! انہیں بولنے دوں! تم کوئی موٹیویشنل اسپیکر ہو یا تمہاری باتیں سننے سے بھوک مٹ جائے گی میری؟ ابے ظالمو! اتنی دیر کاہے کو کررہے ہو؟ کیا سمندر سے مچھلی پکڑنے گئے ہیں تمہارے باورچی؟'' مسٹر یوزفل ایک بار پھر ہتھے سے اکھڑنے لگے تھے

ہیڈ ویٹر اور باقی دو ویٹر سر جھکائے کھڑے رہے، جیسے کہہ رہے ہوں کہ سر! جو جی میں آئے کہہ ڈالیں۔گویا اب انہوں نے ہار مان لی تھی

مسٹر یوزفل نے انہیں فاتحانہ نگاہوں سے دیکھا اور پھر کرسی پہ یوں گرے جیسے وہ میلوں دوڑ لگا کر آئے ہوں۔بیٹھتے ہی انہوں نے پانی کا جگ اپنی طرف سرکایا اور دو تین گلاس غٹا غٹ پی کر اپنا غصہ ٹھنڈا کیا۔ جیسے ہی ان کا غصہ ٹھنڈا ہوا ان کے ذہن میں ایک ترکیب نے چھلانگ لگائی۔

''آپ مچھلی خود فرائی کرلیں ناں''

''مگر میں باورچی نہیں ہوں''

انہوں نے اپنی ترکیب کو خود ہی مسترد کردیا مگر ان کا ذہن اس کا جواز پیش کرتے ہوئے بولا

''تو کیا ہوا؟ یہ یوٹیوب کس مرض کی دوا ہے؟''

''ارے واہ! ان کے منہ سے یہ فقرہ زور سے نکلا تھا، جسے سن کر تینوں ویٹرز ایک ساتھ بولے۔

''جی!!!''

''ابے ہٹو! یہاں سے، بڑے آئے فرائی فش والے، اب میں خود فش فرائی کروں گا اور ڈرو اس دن سے جب اس جگہ میرے ہاتھ کے ذائقے کا چرچا ہوگا'' مسٹر یوزفل نے بڑ بولا بننے کے ریکارڈ توڑ ڈالے تھے۔

''جی جی جی!!!!''

ویٹرز کو سمجھ تو کچھ نہیں آرہی تھی تاہم وہ جی جی کا ورد کیے جارہے تھے اور دل میں یہ دعاء بھی کررہے تھے کہ خدایا اس مصیبت سے جان چھڑا

دے۔ چنانچہ ان کی دعاء قبول ہوئی اور مسٹر یوز فل خود کو دنیا کا سب سے بڑا شیف سمجھتے ہوٹل سے نو دو گیارہ ہو گئے۔اب وہ خود سے فش فرائی کرنے کا عزم صمیم کر چکے تھے۔

****

مسٹر یوزفُل نے مچھلی فرائی کرنے کے لیے ہر وہ ''ممکنہ سامان'' لے لیا تھا جو ان کے مطابق ترکیب کے دوران کام آسکتا تھا۔وہ غالباً دنیا کے پہلے اور آخری باورچی تھے جنہیں ترکیب کی ابجد بھی معلوم نہیں تھی لیکن اس کے باوجود بھی بڑے اعتماد سے تن کر کھڑے ہوئے تھے۔

یہ سارا سامان ان کے کچن میں سجا ہوا تھا اور یوں لگ رہا تھا جیسے یہاں برتنوں کی نمائش لگی ہوئی ہو۔یہاں چاروں طرف مختلف برتن بکھرے ہوئے تھے۔ان کے ساتھ ہی ایک طرف مچھلی کے بڑے بڑے کتلے ایک برتن میں پڑے تھے۔ایک طرف مصالحہ جات کی دکان کھلی ہوئی تھی اور تمام مصالحہ جات قطار اندر قطار یوں صف آراء تھے جیسے کسی لشکر نے مقابلے کی ٹھان لی ہو۔

اب انہوں نے اپنے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا آغاز کر دیا تو منصوبے کے مطابق ایک طرف لیپ ٹاپ رکھ دیا گیا اور اس پہ یوٹیوب اوپن کرکے ''فرائی مچھلی کی لاجواب ترکیب''، لکھ کر سرچ کا بٹن دبا دیا گیا۔ساتھ ہی وہ یہ ''قاتلانہ'' بول گنگنانے لگے تھے:

''مچھلی بناؤں گا،خود ہی کھاؤں گا۔کھاؤ وَ وَ ں ں گا!!!!! کھاااؤں ں گا!!!!''

''میں مدد کروں کچھ؟'' اچانک انہیں بیگم صاحبہ کی آواز سنائی دی اور ان کی زبان کو ہینڈ بریک لگ گئی۔انہوں نے چونک کر دیکھا تو ان کی بیگم صاحبہ کچن کے دروازے پہ کھڑی مسکرا رہی تھیں،ساتھ ہی ان کا چھوٹا بیٹا ارمغان بھی کھڑا تھا۔

''ارے نہیں بیگم!یہ تمہارے بس کا کام کہاں؟یہ خاص ڈش ہے خاص ڈش،کوئی عام ڈش تو ہے نہیں۔''

مسٹر یوزفل نے ''خاص ڈش'' پر چٹخارے لیتے ہوئے کہا تو بیگم معنی خیز انداز میں سر ہلانے لگیں۔

''ٹھیک ہے،ہم انتظار کرتے ہیں پھر،بس کوشش کیجیے گا کہ کم برتن خراب ہوں۔'' بیگم نے کچن پہ ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے التجائیہ لہجے میں کہا،جبکہ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ کچن کے آدھے برتن شیلف پہ بکھرے پڑے تھے۔

''ارے!نہیں نہیں۔۔فکر نہ کرو!یہ سب میں صاف کروں گا،آخر میں شیف ہوں بھئی شیف اور جو ترکیب آزما رہا ہوں،اس کے ویوز دس ہزار

ہیں، کیا سمجھی؟ مطلب دس ہزار لوگوں نے یہ ڈش بنائی ہوگی۔ بس یہ ڈش بن جائے تو پھر میں خود اپنا چینل بنالوں گا جس کا نام ہوگا ''مسٹر یوزفُل ریسیپیز''

مسٹر یوزفل شیخ چلی بننے لگے تھے۔ بیگم ان کی باتیں سن کر ذو معنیٰ انداز میں سر ہلاتے ہوئے چلی گئیں۔ تاہم انہیں لگ رہا تھا کہ آج کچھ برا ہونے والا ہے، کیونکہ ایک تو مسٹر یوزفُل کو کھانا بنانے کا بالکل بھی تجربہ نہیں تھا اور دوسرے یہ کہ وہ ایسی ترکیب آزمارہے تھے جو وہ خود بھی پہلی بار دیکھ رہے تھے۔ ارمغان میاں وہیں کچن میں ہی رک گئے تھے اور ارد گرد بکھری چیزیں غور سے دیکھنے لگے تھے۔

اب مسٹر یوزفل نے کام کا آغاز کیا اور یوٹیوب پہ مطلوبہ ویڈیو پلے کردی۔ کچن میں شیف صاحب کی آواز گونجنے لگی اور مسٹر یوزفل بھی حرکت میں آگئے۔

شیف صاحب نے پہلے تمہیدی باتیں کیں اور چار پانچ بار اپنے چینل کو سبسکرائب کرنے کی دہائی دی۔ اس کے بعد وہ ترکیب بتانے لگے۔ وہ ترکیب بتارہے تھے اور مسٹر یوزفُل فرکی بنے گھوم رہے تھے۔ کبھی دائیں کبھی بائیں، کبھی کسی برتن کو گرارہے تھے تو کبھی کسی چمچ کو پھینک رہے تھے۔ مگر ان کی تیز رفتاری بھی کام نہ آئی اور ابھی انہوں نے برتن ہی سیدھے کیے تھے کہ ترکیب ختم ہوگئی، دوسری طرف مچھلی جوں کی توں پڑی ان کا منہ چڑا رہی تھی۔

''ارے! یہ تو نہیں بنی۔ اس کی کیسے بن گئی؟'' وہ غصے سے بڑبڑائے۔ اب انہوں نے ایک اور طریقہ آزمانے کا فیصلہ کیا۔ وہ یہ کہ ویڈیو پلے کرکے تھوڑی سی ترکیب سن کر ویڈیو روک دی جائے اور وہ کام مکمل کرلیا جائے جو شیف صاحب بتائیں۔ چنانچہ اسی طریقے کے مطابق انہوں نے پھر سے آغاز کیا۔

''سب سے پہلے مچھلی کو اچھی طرح دھو کر خشک کرلیں''

''مچھلی کے ٹکڑے کھلے برتن میں ڈال دیں''

''یہ سارے مصالحے ڈال کر مچھلی کے ساتھ اچھی طرح مکس کریں تاکہ مصالحے مچھلی کے ٹکڑوں میں جذب ہوجائیں۔''

وہ سنتے جارہے تھے اور اب ایک ایک مرحلہ کامیابی کے ساتھ تکمیل پاتا جارہا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ مسٹر یوزفُل کی خوشی بھی بڑھتی جارہی تھی۔ اس دوران شیف صاحب نے بیسن کا پیسٹ بنانے کا کہا تو وہ اس کام میں لگ گئے۔ ادھر وہ کام میں مصروف ہوئے، ادھر منے میاں کرسی پہ چڑھ کر لیپ ٹاپ کے روبرو پہنچ گئے اور اس سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگے، اپنی کارگزاریوں کو مخفی

رکھنے کے لیے انہوں نے پہلے والیم کا گلا گھونٹ دیا اور اس کے بعد یوٹیوب پہ مختلف ویڈیوز کو پلے کرتے چلے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسٹر یوزفل کی ترکیب کہیں پیچھے رہ گئی اور اب سکرین پہ کوئی اور ویڈیو آ گئی تھی۔ مسٹر یوزفل چونکہ کام میں غرق تھے لہٰذا انہیں کچھ بھی پتہ نہ چلا۔ وہ بیسن کا پیسٹ بنا کر پلٹے تو منے میاں کچن سے باہر نکل رہے تھے۔ انہوں نے جھٹ سے رکی ہوئی ویڈیو پلے کی، والیم درست کیا اور ترکیب سننے لگے۔

''اس کے بعد دو لیٹر دودھ لے لیں!''

''ہائیں دودھ؟ یہ چیز اور مچھلی میں؟'' مسٹر یوزفل نے حیرت سے دیدے گھمائے۔ اسی وقت ان کے کانوں میں شیف کی آواز پڑی۔

''اسے دودھ کے ساتھ اچھی طرح مکس کر لیں!''

''اوہ اچھا۔۔۔! ممکن ہے اس سے مزید لذیذ ہو جائے اور دودھ کی وجہ سے تیزابیت بھی نہیں ہوتی ناں'' وہ بڑبڑائے۔ اب وہ تیزی سے حرکت میں آ گئے، فریج سے دودھ نکالا اور ایک بڑے برتن میں دودھ ڈال کر مچھلی کے کتلے اس میں ڈال کر مکس کرنے لگے۔

''اب اس مکس شدہ آمیزے کو ہلکی آنچ پہ پکائیں!''

شیف کی آواز میں نیا حکم سن کر مسٹر یوزفل ایک بار پھر چونکے، انہیں تھوڑا سا شک بھی ہوا مگر شیف تیز تیز بولتا جا رہا تھا، لہٰذا اس کی تیز رفتاری کا ساتھ دینا بھی ضروری تھا، چنانچہ وہ تیزی سے کام کرنے لگے۔

''اب آہستہ آہستہ چمچ ہلاتے رہیں، یہاں تک کہ دودھ گاڑھا ہونے لگے۔ آپ دیکھیے گا کہ یہ کھیر مکس بہت لذیذ بنے گی۔''

شیف کی آواز میں کھیر مکس کا لفظ سن کر وہ زور سے اچھلے، چمچ بھی ان کے ہاتھ سے گر گیا تھا۔

''کک۔۔کک۔۔کیا کہا اس نے؟؟'' وہ رو دینے والے لہجے میں بولے اور لیپ ٹاپ پہ جھپٹے۔ اب انہوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس ویڈیو کا ٹائٹل پڑھا۔ وہاں واضح حروف میں لکھا تھا۔

''شان دار اور بے مثال کھیر مکس''

''میرے خدا یہ کیا ہو گیا؟؟'' وہ اپنے بال نوچنے لگے۔ اس وقت پورا کچن عجیب و غریب مہک سے بھرا ہوا تھا۔

''ارے! یہ کیسی مہک آ رہی ہے؟'' اچانک ان کی بیگم کچن میں داخل ہوئیں۔ ان کے چہرے پہ حیرت اور تشویش نمایاں تھی۔

ادھر مسٹر یوزفل ہونق بنے چولہے پہ چڑھے برتن کی طرف دیکھ رہے تھے جہاں مچھلی کے کتلے دودھ میں ابل رہے تھے۔

اس کی تقریر ہمیشہ صحیح اور دوٹوک بات کرتی ہے، وہ بولتی کم مگر سوچتی بہت زیادہ ہے، انداز بہت جوشیلہ اور دِل کو لگنے والا ہوتا ہے، اس سے مقابلے سے پہلے اس کی خوبیوں کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرو، ویسے ایک بات کہوں، میں نے اس کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں

یوم پاکستان، اور خالہ روبی یعنی مس روبینہ اردو کی بہت اچھی ٹیچر تھیں، کیا تھا جو ایک تقریر لکھ دیتیں، مگر نہیں خود لکھواور تو اور مقابلے میں وہ پڑھا کو سارہ تھی، بس سر پہ دوپٹہ، ہاتھوں میں کتاب، اپنے کام سے کام، اس کی سہیلیاں بھی ساری اس کے ہی جیسی تھیں، اگر خالہ نے تقریر نہ لکھی تو میں تو کبھی نہیں جیت پاؤں گی،



بادیہ جنید

کیسا یومِ آزادی؟

دیکھا صبا، وہ سچی ہے، تب ہی ہر میدان میں کامیاب ہوجاتی ہے"

مِس روبینہ لیکچرار ہونے کے ساتھ ساتھ صبا کی خالہ بھی تھیں، مگر صبا کو اس رشتے داری کا کبھی کوئی خاص تو دور کی بات عام فائدہ بھی نہیں ہوا اور اِس بات کا صبا کو شدت سے احساس تھا کہ ہمیشہ جان چھڑکنے والی خالہ اسکول میں انجان کیوں بن جاتی ہیں، کبھی تو کوئی فائدہ حاصل ہو، ایسی بھی کیا ایمانداری؟ خیر اب مسئلہ یہ تھا کہ اسکول میں تقریری مقابلہ ہونا تھا اور موضوع تھا

"کیا ہوا کیوں پریشان ہو؟"

لو یہ کیا، پریشانی پوچھ رہی ہے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے کہ کیوں پریشان ہو، سامنے سارہ کھڑی تھی۔

"کچھ نہیں ایسے ہی"

"سچ بولو، جو کچھ ہو رہا ہوتا ہے اس میں غلط کو ڈھونڈو، بہت غور کرو، کتابوں کا مطالعہ کرو، اللہ سے مدد مانگو، تم یہ مقابلہ جیت جاؤ گی"

سارہ نے تسلی دی۔

"ن ن نہیں میں پریشان تو نہیں ہوں، اور

تمہیں کیسے پتہ چلا؟"
"ابھی کہ رہی ہو میں پریشان نہیں ہوں، پھر کہ رہی ہو تمہیں کیسے پتہ چلا"
سارہ مسکرانے لگی۔
"جب تم مس روبینہ سے میرا نام لے کر کچھ کہ رہی تھیں، میں نے سن لیا تھا"
پھر وہی سچ بولا جس سے ساری دنیا امپریس ہے، صبا دِل میں سوچ کہ رہ گئی۔
سارہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی، صبا کو دیکھ کر مسکرائی، "تم پریشان مت ہونا، میں دس دِنوں کے لیے نانو سے ملنے سکردو جا رہی ہوں، مقابلے سے میرا نام ہٹوا دیا گیا ہے"
صبا کی سمجھ نہ آیا کہ حیران ہو، خوش یا شرمِندہ، مگر موقع جانے نہ دِیا۔
"تو کیا تم میری تقریر لکھ دو گی؟"
سارہ نے پلٹ کر دیکھا، پھر مسکرائی اور مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا کر چلی گئی۔
"بالکل ہی عجیب ہے" صبا نے دِل میں سوچا۔
وہ کیا ہے نا کہ سچے لوگ عجیب ہی لگتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔
"اس نے تمہیں صحیح سمجھایا ہے، سچ بولو، غور کرو، غلط کو غلط کہو"
خالہ روبی نے ساری کہانی سُنی اور مشورہ واٹس ایپ کر دِیا۔ صبا نے غصّے میں امّی کے موبائل میں روبی کا نام بدل کے "مس روبینہ" کر دیا۔
مگر معاملہ سنجیدہ تھا، صبا نے سارہ کے دیے ہر مشورے پر عمل کیا، اور دو تین بعد بہت محنت سے ایک تقریر تیار کی، جب صبا کا نام پکارا گیا تو وہ اُمید کے ساتھ اسٹیج پر گئی، میں سچ بولنے جا رہی ہوں، ہار بھی گئی تو کوئی مسئلہ نہیں۔۔
"بسم اللہ الرحمن الرحیم
محترم اساتذہ کرام اور میرے عزیز ساتھیو! السلام علیکم، آج میری تقریر کا موضوع ہے یومِ پاکستان، یعنی وہ دِن جب تمام پاکستانی ایک جھنڈے تلے اپنے ملک کی سلامتی کے لیے دعاء گو اور اس کی ترقی کے لیے جوش و جذبے سے بھرپور عزائم کا اظہار کرتے ہیں، مگر مجھے اپنی ہی بات کہتے ہوئے شرمندگی سی محسوس ہو رہی ہے، کیونکہ اب یوم پاکستان کو منانے والے پاکستانی صرف اس دن سبز جھنڈے تلے اِکٹھے ہوتے ہیں اور اس دن کے ختم ہوتے ہی اپنے نیلے پیلے کالے لال جھنڈوں کے نیچے بٹ کر رہ جاتے ہیں، وہ ملک جس کو بنانے کے لیے بہت خون بہا تھا اور کئی جانیں قربان ہوئی تھیں، اس ملک کے رہنے والے ان خود ساختہ

بقیہ صفحہ 95 پر



بہترین تحفہ

حضرت مولانا محمد مسعود ازہر صاحب

اللہ تعالیٰ سے جو کچھ دوسرے مسلمانوں کے لئے مانگا جائے...... وہ مانگنے والے کو خود بخود مل جاتا ہے......

آیئے! ہم اللہ تعالیٰ سے سب مسلمانوں کے لئے ’’مغفرت‘‘ مانگیں...... اور اُمید رکھیں کہ اس عمل کی برکت سے ہمیں ’’مغفرت‘‘ کا عظیم تحفہ مل جائے گا......

(۱) رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ

(۲) اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّةِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۳) اَللّٰھُمَّ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ......

(۴) اَللّٰھُمَّ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِاَھْلِیْ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ اَلْاَحْیَاءِ مِنْھُمْ وَالْاَمْوَاتِ

کوئی تو ایسا بنے

آج ہر مسلمان، دوسرے مسلمانوں کے لئے دل میں دشمنی، بغض اور حسد لئے پھرتا ہے...... کتنے مسلمان ہر روز گھر سے نکلتے ہیں تاکہ دوسرے مسلمانوں کو ماریں، لوٹیں اور تکلیف پہنچائیں...... آج ہر گھر میں جھگڑا، ہر خاندان میں دشمنی...... ہر جماعت کے کارکنوں میں باہمی رنجش...... آہ افسوس! ہمارے دلوں

سے ''کلمہ طیبہ'' کی قدر نکل گئی...... حتی کہ مسجد میں جاؤ تو مقتدی امام سے ناراض اور امام اپنے مقتدیوں سے شاکی...... ہر مجلس میں غیبت...... ہر گھر میں چغل خوری......

ایسے حالات میں کچھ لوگ تو ایسے ہوں جو...... حضور اقدس ﷺ کی امت سے محبت کریں ......اور اپنے دل میں اُن کے لئے خیر خواہی جگائیں...... وہ اُن کے لئے صبح شام اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگیں...... کسی گاڑی میں بیٹھیں تو گاڑی میں موجود تمام مسلمانوں کے لئے استغفار کریں ...... کیونکہ عارضی پڑوسی کا بھی حق ہوتا ہے...... مسجد میں جائیں تو تمام نمازیوں کے لئے استغفار کریں ...... مسجد میں تو ان شاء اللہ سب مسلمان ہی آتے ہیں...... کسی مسلمان پر تنقید اور اعتراض کی نظر پڑے تو فوراً...... اپنے لئے اور اس کے لئے استغفار کریں...... یہ عادت نصیب ہوگئی تو خیر کے بہت سے دروازے کھل جائیں گے...... اور دل بغض اور حسد سے پاک ہوتا چلا جائے گا ان شاء اللہ......

فوائد بے شمار

ایک آدمی کے دل میں اچانک جذبہ اُبھرتا ہے کہ...... میں ابھی تھوڑے سے وقت میں بے شمار نیکیاں کروں...... بستر پر پڑا ہے...... وضو کر کے نماز نفل کی ہمت نہیں...... کوئی ساتھ نہیں کہ ہدیہ، صدقہ، خیرات یا نصیحت کی نیکی کر سکے......

وہ اچانک اپنے دل میں ایمان والوں کے لئے خیر خواہی بھر کر اُن کے لئے استغفار میں لگ جاتا ہے...... تو اسے ہر مومن مرد اور ہر مومن عورت، ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت کے بدلے ایک ایک نیکی مل جاتی ہے...... حضرت آدم علیہ السلام سے قیامت تک...... گنتی کریں کہ کتنے مومن اور مسلمان مرد اور عورتیں ہیں...... یقیناً اربوں، کھربوں، بے شمار...... اسی لئے ہمارے اسلاف کے معمولات میں یہ شامل تھا کہ وہ روزانہ بلاناغہ تمام اہل ایمان اور اہل اسلام کے لئے استغفار کرتے تھے...... علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ یہ اسلاف کا ایسا معمول تھا جسے وہ کبھی نہیں چھوڑتے تھے...... اور فرمایا کہ ہمارے شیخ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ بھی پابندی سے روزانہ ستر بار یہ عمل کرتے تھے (انتہیٰ)...... اندازہ لگائیں کہ...... ستر بار کی ترغیب کسی حدیث شریف میں نہیں ہے......

ایک روایت میں ستائیس بار کا تذکرہ ہے ......مگر ہمارے اسلاف نے دیکھا کہ...... استغفار کے ساتھ ''ستر'' کے عدد کو خاص مناسبت ہے...... کیونکہ قرآن مجید میں حضور اقدس ﷺ سے فرمایا گیا...... آپ اگر ان منافقین کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہیں فرمائے گا......

اسی طرح اسلاف نے دیکھا کہ...... ایمان

والوں کے لئے استغفار اسلام کے ذوق کا حصہ ہے ...... یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا عمل ہے...... یہ حضرات ملائکہ کا عمل ہے......تو انہوں نے اس عمل پر پابندی کے لئے......ستر بار استغفار کا معمول اختیار فرمالیا...... یہ نہ بدعت ہوئی اور نہ دین میں کوئی تحریف...... بلکہ دین پر عمل کی ایک منظم صورت بن گئی......

اب اس استغفار کے فوائد پر نظر ڈالیں تو......

انسان حیران رہ جاتا ہے......آپ نے تمام اہل ایمان، اہل اسلام کے لئے استغفار کیا تو کیا ملا؟

(۱) تمام اہل ایمان اور اہل اسلام کی تعداد میں نیکیاں......

(۲) اہل ایمان کے لئے خیر خواہی کا اجر

(۳) خود آپ کے لئے فرشتے کی دعاء کہ یا اللہ! اسے بھی یہ عطاء فرما جو اس نے دوسروں کے لئے مانگا ہے......

(۴) رزق کی ایسی برکت کہ......اب آپ کے ذریعہ سے دوسروں کو بھی رزق ملے گا

(۵) دل سے حسد اور بغض وکینہ کی پاکی

(۶) حضرات انبیاء اور حضرات ملائکہ کی اتباع کا اجر......

(۷) اہل ایمان کے دلوں میں آپ کے لئے مقبولیت...... اور محبت......کیونکہ آپ نے اُن کے ساتھ خفیہ نیکی کی تو اب روحانی لہروں کے ذریعہ اُن کے دلوں میں خود بخود آپ کی محبت آجائے گی......

(۸) دعاء کے تمام فائدے

(۹) استغفار کے تمام فائدے

(۱۰) دل میں کلمہ طیبہ اور ایمان کی قدر و قیمت کا بڑھ جانا

اور بہت سے فوائد......

بغض ونفرت کے دروازے

آپ نے ایک عجیب بات دیکھی ہوگی......

جو لوگ دنیاداری اور گناہوں میں غرق ہیں ان کی آپس میں زیادہ مخالفت نہیں ہوتی...... بد دین گھرانوں میں ساس اور بہو کا جھگڑا کم ہوتا ہے......مگر جیسے ہی دینداری آتی ہے ایک دم جھگڑے شروع ہوجاتے ہیں......اس کی بڑی وجہ تو واضح ہے کہ......شیطان دین داروں پر زیادہ حملہ کرتا ہے......جو لوگ دن رات کفر، فسق اور کبیرہ گناہوں میں غرق رہتے ہیں شیطان کو ان کی کیا فکر؟ وہ تو شیطان کی جماعت میں پہلے سے بھرتی ہیں......چور ہمیشہ خزانے کی تاک میں رہتا ہے...... پس جہاں ایمان کا خزانہ ہو گا وہیں شیطان ڈاکہ ڈالے گا......مگر آج کل دینداروں میں جو باہمی نفرت ہے اس کی ایک وجہ علم کی کمی بھی ہے......جو لوگ نئے نئے دیندار ہوتے ہیں...... وہ دین کا بنیادی علم حاصل نہیں کرتے......بس چند مسائل کو دین سمجھ لیتے ہیں......پھر جو بھی انہیں ان مسائل کی خلاف ورزی کرتا نظر آئے اس سے

نفرت شروع کر دیتے ہیں...... حالانکہ خود ماضی کی پوری زندگی کبیرہ گناہوں میں گذار چکے...... مگر اب کسی کو کوئی مستحب چھوڑتا بھی دیکھ لیں تو اسے جہنمی سمجھنے لگتے ہیں...... اور ہر کسی کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں کہ...... فلاں آدمی نے نماز میں ہاتھ کہاں رکھے تھے...... سجدہ میں جاتے ہوئے گھٹنے پہلے رکھے یا ہاتھ...... کھانے کے بعد پلیٹ پوری طرح صاف کی یا نہیں؟ حالانکہ دینی مسائل میں کافی وسعت ہے...... اور انسان کو عذر بھی ہو سکتا ہے...... اور ہر حکم کی ایک تفصیل بھی ہے...... مگر جس طرح ''نو دولتیے'' مال کے ذریعہ گناہ اور تکبر کماتے ہیں تو اسی طرح کئی ''نو دینئے'' اپنے محدود دینی علم کی وجہ سے...... تکبر اور نفرت میں پڑ جاتے ہیں......

یاد رکھیں! جس شخص پر بھی اللہ تعالیٰ ''دینداری'' کا احسان فرمائیں...... اور اسے توبہ کی توفیق عطاء فرمائیں تو سب سے پہلے وہ دین کا بنیادی علم حاصل کرے...... آغاز اختلافی مسائل سے نہیں ...... کلمہ طیبہ، بنیادی عقائد اور نورانی قاعدے سے کرے...... پھر اسلامی فرائض سیکھے ...... پھر سنتوں کا علم حاصل کرے...... اور پھر آداب اور ان کی حدود معلوم کرے......

جب تک وہ لازمی اور ضروری علم نہ سیکھ لے اس وقت تک...... فتویٰ بازی، تنقید بازی اور الزام بازی میں نہ پڑے...... خود نماز کا فریضہ ٹھیک طرح سے ادا کرنا نہ آتا ہو اور دوسروں پر اعتراضات شروع کر دے تو...... زیادہ عرصہ دینداری پر قائم نہیں رہ سکے گا...... خود مکمل حلال کا اہتمام کرے مگر دوسروں کو حرام خوری کے طعنے نہ دے...... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا مطالعہ کرے...... سیرت کا مطالعہ انسان کو بہت سے فتنوں سے بچاتا ہے یہ آج کے دور کا بہت بڑا المیہ ہے کہ کئی لوگ توبہ کر کے دینداری پر آتے ہیں...... اور پھر اپنے محدود علم کی وجہ سے اپنی دینداری کے فخر میں مبتلا ہو جاتے ہیں ......اور پھر طرح طرح کی گمراہیوں کا شکار ہو جاتے ہیں...... اللہ تعالیٰ نے آپ کو توبہ کی توفیق بخشی تو...... اب اپنے لئے اور تمام اہل اسلام کے لئے استغفار کو اپنا معمول بنا لیں...... استغفار کا بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ...... یہ انسان کو تکبر اور نفرت میں نہیں پڑنے دیتا...... بار بار استغفار، زیادہ استغفار اور دوسروں کے لئے استغفار ایسا عمل ہے...... جو انسان کے چھپے ہوئے گناہوں کو اس کے سامنے لاتا ہے تب ان گناہوں سے توبہ کی توفیق ملتی ہے...... یہ عمل انسان کو اس کی کمزوریاں دکھاتا ہے جنہیں دیکھ کر انسان زیادہ فکر اپنی اصلاح کی کرتا ہے...... اور یہ عمل انسان کے اندر اس کے ایمان اور دینداری کو مضبوط کرتا ہے......

سوشل میڈیا کا کردار

سوشل میڈیا نے مسلمانوں کے درمیان ناجائز محبتوں اور دوستیوں کو مضبوط کیا ہے...... ہر گناہ اور جرم پر اس گناہ سے محبت کرنے والے جمع ہوگئے ہیں...... روایات میں آتا ہے کہ...... قیامت کے دن ہر طرح کے گناہ گاروں کے الگ الگ ٹولے ہوں گے...... پھر اس کے ساتھ دوسرا ستم یہ ہوا کہ...... اہل دین کے درمیان عداوتیں اور دوریاں اس سوشل میڈیا کی نحوست سے بڑھ گئیں ...... اب ہر معاملہ پر رائے مانگی جاتی ہے...... اگر آپ کی رائے پسند نہ آئے تو فوراً نفرت اور دشمنی شروع...... اسی طرح امت مسلمہ کی مقبول شخصیات اور مقرب بندوں کے خلاف طرح طرح کے شوشے چھوڑ کر منٹوں میں انہیں ہر طرف پھیلا دیا جاتا ہے...... ظاہر بات ہے کہ انسان ہر پڑھی ہوئی چیز کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور لیتا ہے...... چنانچہ اس طرح کے شوشوں سے مسلمانوں کے درمیان مایوسی اور نفرت تیزی سے پھیل رہی ہے...... ہم ان تمام افراد کو عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو...... سوشل میڈیا پر حق کی دعوت کے لئے اُترتے ہیں...... اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے اور انہیں ان کے نیک مقاصد میں کامیاب فرمائے...... مگر انہیں پھر بھی اپنے دل، اپنی نیت اور اپنے طرز عمل کی خود نگرانی کرتے رہنا چاہیے...... کیونکہ شیطان کے پھندے بہت خطرناک، نفس کے حیلے بہت خوفناک...... اور زندگی کے دن بہت تھوڑے ہیں ...... اور ہر شخص کو اپنے دل کی خبر ہے کہ...... اس میں اصل نیت کیا پوشیدہ ہے......

ترتیب

کچھ عرصہ پہلے تک...... دوسروں کے لئے استغفار کرنا اور دوسروں سے اپنے لئے استغفار کرانا یہ ہمارے معاشرے میں تقریباً متروک ہوتا جا رہا تھا...... الحمدللہ اس بارے میں آواز لگی اور بار بار لگی تو کئی افراد اس طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے یہ نعمت پا لی...... مگر اس بارے مزید محنت کی ضرورت ہے...... دوسروں کے لئے استغفار کی ایک مختصر ترتیب عرض کی جا رہی ہے...... اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے......

(۱) سب ایمان والے مردوں اور عورتوں کے لئے استغفار...... اس کے کچھ فوائد اوپر عرض ہوچکے......

(۲) اپنے مسلمان والدین کے لئے استغفار ...... یہ بڑا عظیم اور بھاری عمل ہے...... اس کا فائدہ والدین کو بھی پہنچتا ہے اور خود اولاد کو بھی...... اور یہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا بہترین طریقہ ہے ...... حضرات صحابہ کرام اس کا بڑا اہتمام فرماتے تھے...... حتی کہ بعض صحابہ کرام نے اپنے سجدے کی دعاء ہی یہی بنا رکھی تھی...... یعنی اپنے والدین کے لئے استغفار......

(۳) اپنے اہل احسان کے لئے استغفار
جس کسی نے آپ پر احسان کیا ہو کوئی دینی یا دنیوی تو اُن کے لئے استغفار کا معمول بنائیں...... اس میں شکر گذاری بھی آ جائے گی کیونکہ جو بندوں کا احسان نہیں مانتا وہ اللہ تعالیٰ کا احسان بھی فراموش کرتا ہے...... اس میں تو یہاں تک ثابت ہے کہ جو آپ کو ایک وقت کا کھانا کھلائے تو اسے بھی مغفرت کی دعاء دیں...... یعنی اس کے لئے استغفار کریں......

(۴) اپنے بڑوں کے لئے استغفار شرعی امام ،امیر، شیخ، استاذ، خاندان کے بزرگ ...... اس استغفار کی برکت سے انسان پر فیوض اور نسبتوں کے دروازے کھلتے ہیں...... ان شاء اللہ

(۵) اپنے چھوٹوں کے لئے استغفار......
رعایا، مامورین، شاگرد، خاندان کے چھوٹے...... اس استغفار کی برکت سے اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے میں مدد ملتی ہے ان شاء اللہ

(۶) اہل فضل کے لئے استغفار...... وہ افراد جو کسی چیز میں آپ سے آگے ہیں یا زیادہ ہیں اور شیطان آپ کے دل میں اُن کی عزت، مال یا ترقی کے بارے میں حسد ڈالتا ہے تو آپ اُن کے لئے استغفار کریں اس کی برکت سے ان شاء اللہ آپ کا دل غنی ہو گا اور حسد سے نجات پائے گا......

(۷) اہل توجہ کے لئے استغفار...... ایسے مسلمان افراد جن کی طرف آپ کے دل کی توجہ جاتی ہو کہ...... وہ آپ کی حاجات پوری کریں...... یا جن کی طرف گناہ کی توجہ جاتی ہو...... یا جن کو نقصان پہنچانے پر دل اُکساتا ہو...... ایسے افراد کے لئے استغفار آپ کو بہت سے گناہوں، لالچ اور حرص وغیرہ سے بچادے گا......

(۸) مقیم اور عارضی پڑوسیوں کے لئے استغفار...... یہ آپ کے اندر خیر خواہی اور مقبولیت پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے تب آپ ایسے سخی کی طرح ہو جائیں گے جو کسی کو بھی خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا...... آپ کے ساتھ جو بھی تھوڑی دیر کے لئے آیا آپ نے آہستہ سے اسے مغفرت کی دعاء کا تحفہ دے دیا...... یہ کتنی سخاوت والا اور کتنے نفع والا عمل ہے......

(۹) ایذاء پہنچانے والوں کے لئے استغفار ...... مسلمانوں کو معاف کرنا اور ان سے درگذر کرنا یہ عزیمت والا عمل ہے...... اور اس عمل کا بدلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی معافی ہے......

پس ایسے مسلمان جنہوں نے آپ کو ایذاء پہنچائی...... آپ نے انہیں معاف کیا اور اُن کے لئے استغفار کیا تو آپ مقام عزیمت پر آ گئے...... جو کہ عظیم سعادت ہے......

(۱۰) اہل حقوق اور اہل مظالم کے لئے استغفار...... یہ بہت اہم اور ضروری ہے...... وہ مسلمان جنہیں آپ نے کبھی ایذاء پہنچائی...... جن کی غیبت یا حق تلفی کی...... جن کو گناہوں میں اُتارا

یا جن کا مذاق اُڑایا اور انہیں حقیر سمجھا...... ایسے مسلمانوں کے لئے روز استغفار کرنا چاہیے...... تا کہ اُن بھاری گناہوں کا بوجھ اس استغفار کی برکت سے اُترتا چلا جائے......

یہ ہے دوسرے مسلمانوں کے لئے استغفار کی ایک مختصر ترتیب...... ذہن میں قرآن وسنت کے جو دلائل موجود ہیں اُن کو سامنے رکھ کر یہ ترتیب عرض کی ہے...... اس میں والدین کے بعد اپنے اہل وعیال یعنی خاوند، بیوی، اولاد...... اور پھر بہن بھائیوں کے لئے استغفار کا خاص مقام ہے......

یہ فہرست مکمل اور جامع نہیں...... اگر دلائل میں غور کیا جائے تو اس میں مزید اضافہ ہوسکتا ہے

...... بہرحال گذشتہ رنگ ونور...... اور آج کی اس مجلس کو یکجا کر کے اس موضوع کو پڑھ لیا جائے تو...... اُمید ہے دین اسلام کا یہ ''بہترین تحفہ'' ہمیں نصیب ہوجائے گا ان شاء اللہ......

اَللّٰھُمَّ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِاَھْلِیْ وَمَنِ اسْتَغْفَرَلِیْ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ اَلْاَحْیَاءِ مِنْھُمْ وَالْاَمْوَاتِ......

لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

☆......☆......☆

تیاری کریں

آج کل بڑا فتنہ ہے کہ جو لوگ اُردو، انگریزی یا بنگلہ ادب میں ماہر ہوتے ہیں، عموماً اُن کو ملحدین اپنے ملحدانہ خیالات کا بہترین ذریعہ بنالیتے ہیں، پھر یہ لوگ سب سے پہلے ملک کے ان نوجوانوں کو جو دینی مسائل سے ناواقف ہیں، اپنے زورِ بیان اور ادب سے متاثر کرتے ہیں، پھر اسی راستہ سے عوام کو ان کے دلوں میں تشکیک پیدا کر کے بے دین بناتے رہتے ہیں، اس لیے اب وقت کا تقاضا ہے کہ اپنی مادری زبان اور اُردو ادب کے اندر پوری مہارت حاصل کی جائے اور ادبی اسلوبِ نگارش اور طرزِ بیان کو جاذب ودلکش اور مؤثر ودلچسپ بنایا جائے۔ علماء اگر چاہتے ہیں کہ دین کی مفید ومؤثر خدمت انجام دیں تو ضرورت ہے کہ وقت کے اس زیور سے آراستہ ہوں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ علماء بیک وقت خطباء بھی ہوں، اُدباء بھی ہوں اور صاحبِ قلم بھی ہوں۔ الغرض اس طرح خدمتِ خلق کے لیے اپنے مدارس سے مقررؔ، ادیب، مقالہ نگار، صحافی، مدیر، اور مصنف تیار کریں۔ (محدّث العصر علاّمہ سید محمد یوسف بنوریؒ)



سوالی

اخت محمد



آج میں گھر سے نکلا تو وہ ہر گلی میں نظر آیا وہ کبھی کسی کا دروازہ کھٹکھٹاتا کبھی کسی کا، اس کا یہ روز کا معمول تھا۔

وہ ایک پندرہ سالہ بچہ تھا جو ہماری گلی میں روزانہ آتا تھا اور لوگوں سے بھیک مانگتا تھا کچھ لوگ ترس کھا کر اس کو دے دیتے، کچھ لوگ اس کو دھتکار دیتے البتہ میرے ساتھ کبھی اس کا ٹکراؤ نہیں ہوا تھا۔

ایک دن صبح جب میں گھر میں اکیلا تھا تو دروازے پر دستک ہوئی میں یہ سوچتے ہوئے پتہ نہیں کون آیا ہے دروازے کی طرف بڑھا اور بغیر پوچھے ہی کھول دیا۔ دیکھا تو وہی بچہ تھا، وہ ہاتھ پھیلائے میرے سامنے اپنے مخصوص الفاظ دہرا رہا تھا اور آج اس کی حالت پہلے سے بھی زیادہ بدتر لگ رہی تھی۔ میں اس کو اندر لے آیا کیونکہ گھر والے سب کہیں گئے ہوئے تھے۔ میں نے اس کو ناشتہ کروایا اور پوچھنے لگا کہ تم اس طرح کیوں مانگتے ہو؟ کیا تمہارے والدین، بہن بھائی نہیں ہیں؟

یہ سن کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگا کہ امی ابو کو چچا جان نے قتل کر دیا تھا اور ہمارے گھر پر قبضہ کر لیا اور میں اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا اور مجھے گھر سے نکال دیا۔ چچا جان خود تو جھوٹی سفارشوں کی وجہ سے بچ گئے اور اب عیش وعشرت سے رہ رہے ہیں، اب پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے یہی راستہ نظر آیا۔

مجھے اس کی حالت پر رحم آیا اور میں نے اس کو کچھ پیسے دیے کہ اس سے کوئی کام شروع کرو کیونکہ اس طرح مانگنے سے اللہ سخت ناراض ہوتا ہے اور قیامت کے دن بھیک مانگنے والوں کے جسم پر گوشت نہیں ہوگا اور اس کے بعد وہ پیسے لے کر چلا گیا۔ اس کے بعد اس کا کوئی پتہ نہ چلا اور اب وہ مانگتے ہوئے بھی کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ میں مطمئن ہو گیا کہ شاید اس نے کوئی کام شروع کر لیا ہوگا البتہ دل میں یہ جاننے کی آرزو رہتی کہ وہ کیا کر رہا ہے آہستہ آہستہ میں اس کو بالکل بھول گیا اور کئی سالوں کا عرصہ بیت گیا۔

ایک دن میں اپنے کپڑے لینے بازار گیا۔

وہاں ایک دکان میں داخل ہوا اس سے پہلے اس دکان میں کبھی نہیں آیا تھا۔ وہاں پر کافی زیادہ مال تھا۔ دکان بہت بڑی تھی۔ اردگرد ملازمین کام کر رہے تھے۔ میں کپڑے لے کر جب بل ادا کرنے کاؤنٹر پر آیا تو ایک باوقار آدمی سفید کپڑوں میں ملبوس بیٹھا تھا۔ مجھے وہ جانا پہچانا سا لگا ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ کون ہے اس نے پہلے مجھے حیرت سے دیکھا پھر مسکرا کر کھڑا ہو گیا اور مجھے لے کر ساتھ ہی بنے کمرے میں آیا جہاں اضافی مال لگا ہوا تھا۔

کہنے لگا، میں اپنے محسن کو کبھی نہیں بھول سکتا، میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں، کیا آپ نے مجھے پہچانا؟

میں بولا، نہیں۔ ساتھ ہی اچانک میرے ذہن میں جھماکا ہوا کہ یہ کہیں وہی تو نہیں جو مجھ سے مانگنے آیا تھا۔

آخر اس نے مسکرا کر کہا کہ میں وہی بچہ ہوں جو آپ سے مانگنے آیا تھا اور آپ نے مجھے پیسے دیے تھے۔ اچھا میں بہت خوش ہوا اور بے چینی سے پوچھنے لگا کہ آپ یہاں تک کیسے پہنچے تو اس نے بتانا شروع کیا کہ میں جب آپ سے پیسے لے کر گیا تھا تو سارا دن یہی سوچتا رہا کہ کیا کام کروں یہی سوچتے ہوچتے دن گزر گیا تو صبح میں ایسے گلیوں سے گزر رہا تھا کہ ایک خیال آیا کیوں نہ غبارے بیچنا شروع کروں پھر میں نے غبارے خریدے اور بیچنا شروع کر دیے۔ غبارے بیچ کر میں کچھ کھانے پر خرچ کرتا اور کچھ جمع کرتا رہتا تھا پھر میرے پاس پیسے کچھ زیادہ ہوئے تو میں نے کھلونے بھی بیچنا شروع کر دیے اس طرح میں نے کچھ پیسے اور جمع کر لیے اور میں نے رومال اور شالیں بیچنا شروع کر دیں اور رات کو میں کوئی ٹھکانہ تلاش کر کے وہیں سو جاتا تھا۔ آہستہ آہستہ میں نے ترقی کرنی شروع کی اور کرائے کی دکان لے کر اس میں یہ چیزیں بیچنی شروع کیں اس میں تھوڑے بہت کپڑے بھی رکھ لیے میں ترقی کرتا گیا اور ایک دکان خرید لی اور اب میں اس دکان کا مالک ہوں۔ میں آپ کا بے حد احسان مند ہوں کہ آپ نے مجھے سیدھا راستہ دکھایا ورنہ میں آج در در کی ٹھوکریں کھا رہا ہوتا۔

نہیں نہیں آپ کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے میں بھی اللہ کا بہت شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے ایک غریب کی زندگی سنوارنے میں چھوٹی سی مدد کرنے کی توفیق دی حقیقت میں وہ ایک بڑی مدد ثابت ہوئی۔

اس نے اس دوران میری اچھی خاصی ضیافت کر دی تھی اور میں اس کو اپنے گھر آنے کا کہہ کر چلا آیا اور سوچنے لگا کہ اگر سب لوگ ''امر بالمعروف و نہی عن المنکر'' (نیکی کا حکم اور برائی سے روکو) پر اچھے انداز سے عمل کرنے لگ جائیں تو معاشرے میں ان کی کرن نمودار ہو جائے اور ایک پر امن معاشرہ پیدا ہو۔





پروفیسر عظیم صاحب نماز فجر کے لیے جیسے ہی گھر سے باہر نکلے تو اچانک ایک چیز اوپر سے گری اور ان کے قدموں میں آپڑی......وہ جلدی سے پیچھے کی طرف ہٹ گئے، جب انہوں نے غور سے دیکھا تو ایک مکعب نما چیز ان کے قدموں میں پڑی تھی۔

وہ فوراً نیچے جھکے اور اگلے لمحے وہ سیدھے کھڑے ہو کر حیرانی کے عالم میں ایک چکور گفٹ کو اُلٹ پُلٹ رہے تھے، اسی حیرانی اور ششدرگی کے عالم میں انہوں نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی کے ڈائل پر نظر کی تو فوراً سے پہلے ایڑیوں کے بل ہی واپس مرکزی دروازے میں داخل ہوئے اور گفٹ کو ایک طرف اچھالنے کے بعد جلدی سے باہر نکل کھڑے ہوئے۔

مسجد میں پہنچ کر نہایت خشوع خضوع کے ساتھ نماز باجماعت اداء کی، نماز سے فراغت کے بعد مسجد سے باہر نکلے تو حسب معمول ان کے قدم پارک کی طرف اُٹھنے لگے......مگر انہوں نے کچھ سوچ کر اپنا رُخ گھر کی طرف موڑلیا۔

مرکزی دروازے سے اندر داخل ہو کر سب سے پہلے وہ گفٹ کی طرف متوجہ ہوئے اور اسکو اٹھا کر اپنے کمرے کی طرف چل دیئے۔

بیگم صاحبہ نماز سے فارغ کر کچن کی طرف جا رہی تھی کہ اپنے شوہر کو خلاف معمول اتنی جلدی گھر دیکھ کر اُن کے اٹھتے قدم رُک گئے اور وہ متجسس ہو کر شوہر کی طرف چلی آئی، کمرے میں داخل ہو کر شوہر کی طرف نگاہ ڈالی تو اُسکے ہاتھ میں ایک

چکور گفٹ نظر آیا۔

بیگم صاحبہ کچھ پوچھنے کے لیے بولنے لگیں ہی تھیں کہ ان کے الفاظ حلق کے اندر رہ گئے...... کیونکہ میاں جی ان سے نگاہیں پھیر کر پیکنگ کھولنے کی طرف متوجہ ہو چکے تھے، بیگم صاحبہ سمجھ گئیں کہ میاں جی ابھی کچھ بتانا نہیں چاہتے، سو وہ چُپ رہ گئیں۔

کمرے کے اندر موجود دونوں نفوس نے جب پیکنگ کھول لی تو حیرانی سے اس کی طرف دیکھنے لگے، کیونکہ گفٹ کے اندر سے ایک لفافہ نکلا تھا، جس پر غیر مانوس رسم الخط میں الفاظ کندہ تھے، جسے کمرے میں موجود دونوں نفوس پڑھنے سے قاصر رہے، البتہ پروفیسر صاحب کے چہرے پر شکنیں ضرور پڑ گئیں تھیں۔

بعد ازیں لفافہ کھولا گیا تو اسمیں سے چند ماڈل (نقشے) اور ایک تھیلی میں پتھر کی سلیٹ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے برآمد ہوئے۔

بیگم نے نہ سمجھنے والے انداز سے شوہر کی طرف دیکھا تو پریشان ہو گئیں، کیونکہ پروفیسر صاحب ان اشیاء کی طرف ٹکٹکی باندھے مسلسل دیکھے جا رہے تھے، انکا رنگ فق ہوا جا رہا تھا اور چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں تھیں۔

بیگم نے اپنے سرتاج کی یہ کیفیت دیکھی تو انکے کندھے پر ہاتھ رکھا، گویا وہ مسئلہ پوچھنا چاہتی تھی۔ پروفیسر صاحب کچھ دیر تک تو اسی حواس باختگی کے عالم میں دنیا و مافیھا سے بے خبر رہے، مگر جب انہیں اپنے کندھے پر ہاتھ کا لمس محسوس ہوا تو وہ چونکے اور انہیں کمرے میں دوسرے نفس کی موجودگی کا احساس ہوا، جب سامنے انہوں نے بیگم کو پایا تو فوراً اپنا تھوک نگلا اور نارمل ہو کر بیگم کی طرف متوجہ ہوئے۔

بیگم صاحبہ معاملہ دریافت کرنے کے لیے لب کھولنے ہی لگیں تھیں کہ عظیم صاحب گویا ہوئے:

''بیگم صاحبہ! آپ جلدی سے ناشتہ تیار کرلیں اور بے فکری سے اپنے کام میں لگ جائیں، میرے گمان کے مطابق یہ کالج کے کسی لڑکے کی شرارت ہوگی......''

بیگم عظیم صاحبہ نے شوہر کی یہ بات سنی تو فوراً اُلٹے پاؤں واپس آگئیں۔ انہیں معاملے کی سنجیدگی کا اندازہ تو ہو چکا تھا، مگر وہ کھوج کرید سے اپنے سرتاج کو مزید پریشان کرنا نہیں چاہتی تھیں پس وہ خاموشی سے اپنے خانگی امور نمٹانے لگیں۔

بیگم کے چلے جانے کے بعد پروفیسر صاحب پھر سے سوچنے لگے۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ کون شخص ہے جس نے ان کے اتنے اہم اور خفیہ راز جان لیے اور ان کے اہم اجلاس کی

رپورٹ حاصل کرلی......؟

وہ سوچنے لگے اور سوچتے ہی رہے، مگر وہ اپنی اس سوچ کے اندر کامیاب نہیں ہوسکے۔

"دفعتاً اُنہیں یہ خیال گزرا کہ کہیں میرے راز کو افشاء کرنے والی خود میری بیوی ہی تو نہیں؟"

مگر فوراً ہی دماغ نے فیصلہ کیا کہ "نہیں" کیونکہ پروفیسر صاحب انتہائی محتاط آدمی تھے۔ وہ اپنے اہم اور خفیہ رازوں کو شریک حیات تک سے مخفی رکھنے کے ماہر تھے۔ تو پھر آخر میرے راز کو افشاں کرنے والا کون ہے؟ اور کون سی قوت مجھے دھمکی دے رہی ہے؟ ایک مرتبہ پھر وہ سوچوں کے سمندر میں مستغرق ہوگئے۔

☆......☆......☆

"مولانا صاحب! آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے علاقے کے ڈگری کالج کا وائس چانسلر پروفیسر ہے نا...... وہ ایسا ویسا بندہ ہے؟"

یہ فیصل چاول چھولے والا تھا، جو کہ کمانڈر مولانا عبدالقہار صاحب کے خفیہ سیکریٹ کا سرگرم اور اہم ترین رکن تھا، مگر اپنی فطری سادگی اور اَن پڑھ ہونے کی وجہ سے کسی کے وہم میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ یہ مجاہدین کے خفیہ نیٹ ورک کا جیالا ہے۔

مولانا کی نگاہ مردم شناس کا نتیجہ تھا کہ ایسے بہت سے لوگ جو بظاہر جاہل معلوم ہوتے تھے ان کے نظام کا حصہ بن چکے تھے۔

یہ دراصل وادئ کشمیر کے ایک مسلم اکثریتی علاقے کی بات ہے جہاں پر ایک ہی بڑا کالج تھا جسمیں قریب قریب کے تمام گاؤں کے طلباء زیر تعلیم تھے، کالج چونکہ مسلم علاقے میں تھا اسلئے اسکے تمام ممبران بھی مسلمان ہی تھے...... یہی وجہ ہے کہ برسوں سے ہندو بنیا نسل نو کو اپنے ہم پیالہ اور ہم نوالہ بنانے سے عاجز رہا تھا، اگر کبھی انہوں نے چالاکی سے کسی ہندو یا سکھ کو کالج کے اندر متعین کرنے کی کوشش کی بھی تو تو کالج کے اندر زیادہ عرصہ تک ٹک نہ سکا۔

ویسے ہے یہ بھلے وقتوں کی بات...... جب وادئ کشمیر کے اندر مسلمانوں کو بظاہر کچھ حقوق حاصل تھے چاہے ڈنڈے کے خوف اور بیرونی دنیا کو دکھلانے کی غرض ہی سے کیوں نہ ہوں، مگر اب تو وہاں کسی مسلمان کو وہ چاہے اقلیتی علاقے کا باسی ہو یا اکثریتی علاقے کا کالج سٹاف سے پنگا لینا تو درکنار مارنے کی جرات بھی نہیں۔

بہرحال! جب ہندوؤں نے کسی طرح بھی اپنی دال گلتے نہیں دیکھی تو بڑے فکر مند ہوئے...... بلآخر ایک دن انہیں اپنے مقصد میں کچھ کامیابی کی صورت نظر آنے لگی۔

ہوا یوں کہ ایک قادیانی جو وہیں کا باسی تھا

اور اپنے آپ کو مسلمان کہنے پر مصر تھا، بڑا شاطر، چالاک اور چالباز تھا......اس نے کالج میں وائس چانسلر کا عہدہ سنبھال لیا۔

اب ہندوؤں نے مستقبل کے اسی معمار سے جو در پردہ قادیانی لُٹیرا تھا اور اسلام دشمنی اس کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی سے اپنا کام خوب نکلوایا۔

وہ مردود نسل کو اقتصادی ترقی کا جھانسہ دیکر آزادی سے غافل کرنے کا کام بڑھ چڑھ کر سرانجام دینے لگا، لیکن رفتہ رفتہ کچھ لوگ اس کی چیرہ دستیوں سے باخبر ہونے لگے......مگر بظاہر چونکہ یہ شخص بڑا پکا مسلمان تھا اور لوگوں میں اسکا بڑا مرتبہ تھا اس لیے اس سے دشمنی کرنا اپنے ہی لوگوں کی مخالف مول لینے کے مترادف تھا، اسلیے سمجھنے والے بھی مجبوراً خاموش تھے۔

☆......☆......☆

کمانڈر مولانا عبدالقہار کو اس کی چیرہ دستیوں کی جیسے ہی اطلاع ملی تو انہوں نے اپنے نیٹ ورک کو اس پر گہری نظر رکھنے کا حکم دیا۔ ان کے کارکن موقع کی تلاش میں رہے......مگر یہ شخص انتہائی چالاک نکلا، اسی بناء پر اتنا لمبہ عرصہ کمانڈر صاحب کے خفیہ سیکریٹ کو خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ آج بڑے عرصہ بعد فیصل خوشخبری لیے حاضر ہوا کہ ہمیں پروفیسر والے معمے میں کچھ کامیابی کی راہ ملی ہے۔

ہوا یہ کہ ایک دن فیصل اپنی ریڑھی سے فارغ ہوا تو کچھ افسردہ سا تھا۔ اس نے سوچا کہ کچھ ذہنی تھکان دور کرنے اور طبعیت کو فرحت، شادمانی اور تروتازگی دینے کے لیے پہاڑ کی طرف نکلنا چاہیے، جو کہ سرسبز اور چشموں، ندیوں سے آراستہ تھا۔ یہی سوچ کر وہ نماز ظہر کے بعد پہاڑ کی طرف نکل کھڑا ہوا جو آبادی کے متصل ہی تھا......مگر یہاں آمد و رفت اس لیے نہیں تھی کہ اس پہاڑ کی چوٹی پر آرمی کا کیمپ تھا، دوسرا عوام کی چہل قدمی کے لیے ایک الگ پارک بھی موجود تھا، اس لیے لوگ پہاڑ کے سرسبز ہونے کے باوجود اسکی طرف کم ہی متوجہ ہوتے تھے۔ فیصل چشمے والی ندی کے کنارے کنارے چلتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ اسی اثناء میں اس کو آہٹ محسوس ہوئی......فیصل ندی کی بائیں جانب جھاڑیوں میں چھپ گیا اور جس جگہ آہٹ محسوس ہوئی تھی غور سے دیکھنے لگا۔

کیا دیکھتا ہے کہ پروفیسر عظیم صاحب نہایت عجلت میں ندی کے کنارے کنارے چلتے جا رہے ہیں۔ فیصل تھوڑی دیر رک کر سوچنے لگا کہ آخر پروفیسر صاحب کا یہاں کیا کام؟ پھر اس کے دماغ نے کہا ضرور دال میں کچھ کالا ہے......پس وہ فوراً جھاڑیوں سے باہر نکل آیا اور مناسب فاصلہ رکھ کر پیچھا کرنے لگا، لیکن یہ خیال

رکھ کر کہ کہیں پروفیسر یا کسی دوسرے کی اس پر نظر نہ پڑ جائے۔

فیصل پروفیسر کے پیچھے چلتا رہا یہاں تک کہ ایک مقام پر اس کو ٹھہر جانا پڑا...... کیونکہ آگے ایک غار کے دہانے پر پروفیسر جا کر رُک گیا تھا......اُس نے اردگرد گردن گھما کر دیکھا اور اطمینان پا کر غار کے اندر چلا گیا۔

فیصل نہایت احتیاط کے ساتھ جھاڑیوں کے اندر ہی سے ہوتا ہوا غار کے بالکل سامنے آ گیا تا کہ بچشم خود اندر کا نظارہ کر سکے، اندر جو اس نے منظر دیکھا وہ کچھ یُوں تھا:

پروفیسر صاحب چند انڈین فوج کے آفیسروں کے درمیان گھرے ہوئے بیٹھے تھے اور ایک فوجی افسران سے مخاطب ہو کر کہہ رہا تھا:

''پروفیسر صاحب! ہم آپ کو مالا مال کردیں گے...... بس آپ کو ہمارے لیے ایک کام کرنا ہوگا۔''

''جی سر! آپ حکم کریں، ویسے آپ لوگوں نے میرا کام تو دیکھ ہی لیا ہوگا! کس صفائی سے تمہارے مستقبل کے لیے راہ ہموار کر رہا ہوں اور مسلمانوں کی نسل نو کو تمہارے افکار کا علمبردار بنا رہا ہوں اور تمہاری انتظامی مشینری کے لیے آئندہ جتنی بھی رکاوٹیں پیدا ہو سکتی تھیں انہیں راہ سے ہٹانے کا کام بڑی تُندہی سے سرانجام دے رہا ہوں۔''

''بس آپ حکم کریں، میں تعمیل حکم میں سردھڑ کی بازی لگانے کو تیار ہوں، اسلئے کہ میری زندگی کا مقصد بھی یہی ہے کہ کسی طرح نیوکلیئر پاکستان اور اس کے مسلمان صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں اور یہی میری تمنا اور آرزو ہے اور میں اپنی اس تمنا کے لیے ہر اقدام کو مستحسن اور فرض منصبی سمجھتا ہوں اور اس مقصود کے حصول کے لیے ہمہ قسم کی جدوجہد کرنے کو ذہنی اور جسمانی طور پر بالکل تیار ہوں۔''

پروفیسر لمبی بدزبانی کر کے خاموش ہوا ہی تھا کہ آفیسر کا چہرہ شیطانی مسکراہٹ سے کھل اُٹھا۔

(بقیہ صفحہ نمبر 70 پر)

کوپن برائے ''وہ کون تھا؟''

نام: ....

ولدیت: ....

مکمل ایڈریس: ....

تعلیم: ....

جواب: ....

ہدایات: (انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائے گا اور ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا اور جواب بغیر کوپن کے قبول نہیں کیا جائے گا)

جویریہ ریاض



کیا ہم آزاد ہیں؟

’’کل چھٹی ...... کل چھٹی‘‘ جنید گھر میں داخل ہوتے ہی کل چودہ اگست کی ہونے والی چھٹی کا اعلان کرنے لگا۔

بیگم سلمی کچن سے نکلیں اور اسکے ننھے کندھوں کو بیگ کے وزن سے آزاد کرتے ہوئے بولیں۔

’’پتا نہیں اس عمر کے بچوں کو کتنا پڑھا لینا ہے، بستہ بھی کتنا وزنی ہے میرے بچے کا‘‘

پھر وہ جنید کے گال چومنے لگیں۔

’’دادا! کہاں ہیں؟‘‘ جنید نے بے تابی سے ماں سے پوچھا اور پھر گویا ہوا۔

’’آپ کو پتا ہے مجھے کل چھٹی ہے‘‘ اس کے چہرے سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔

’’دادا تو کمرے میں ہیں۔ یہ بتا میرے لال! کہ کل کس خوشی میں چھٹی ہے؟‘‘ کام کاج میں مگن بیگم سلمی کل کی تاریخ بھول چکی تھیں یا پھر ان کے لیے کل کے دن کو یاد رکھنا اہم نہ تھا...... افسوس......!!!

’’وہ کل چودہ اگست ہے نا!‘‘

’’او! چلو شکر ہے۔ ایک دن تو میرا بچہ آرام



کرے گا۔ جاؤ اپنے دادا جی سے مل تو لو! وہ تمہارا ہی انتظار کر رہے ہیں۔'' بیگم سلمیٰ نے بچے کی خوشی میں خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''آرام؟ چھٹی کا دن...... باعث خوشی؟''

الفاظ عثمان صاحب کے زخمی دل کو مزید چھلنی کر گئے ان کی بہو اور پوتے کی چند لمحے پہلے کی گفتگو انہیں اپنے کمرے میں سنائی دے چکی تھی۔

عثمان صاحب اپنے تکلیف دہ ماضی میں کھوئے ہوئے تھے۔

ننھا سا پانچ سالہ بچہ (اپنا) اپنے باپ کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے اپنے ہی گاؤں کی گلیوں میں چھپنے کی جگہ تلاش کر رہا تھا۔ ہر گلی میں بہتی خون کی ندیاں، ہر دیوار، کونے کی اپنی درد بھری داستان فضا میں چیخ و پکار کا طوفان برپا تھا۔

''عثمان!'' اس کے باپ نے دو سالہ بچی بھی اٹھا رکھی تھی۔

''جی!'' روتا سسکتا عثمان اپنے باپ کی آنسوؤں سے لبریز آنکھیں دیکھتا ہوا بولا۔

''بیٹا! تم فوراً اپنی بہن کو لے کر اس راستے سے نکل جاؤ!''

سامنے والی گلی میں ہندو ہمارے خون کے پیاسے بنے پھر رہے ہیں۔ میں ان سے جا کر لڑوں گا۔ ان کا دھیان تمہاری طرف نہیں جائے گا اور تم سیدھے جاتے جانا۔ آگے سٹیشن پر لاہور جانے والی ٹرین میں بیٹھ جانا! میں تمہیں وہیں ملوں گا۔

اس کا باپ جو ہر بات پر ''ان شاء اللہ'' بولا کرتا تھا آج بھی بھولا نہیں تھا مگر آج اسے اپنے بات کے پورا ہو جانے کا یقین بھی تو نہیں تھا۔

''نہیں بابا! میں آپ کے ساتھ جاؤں گا''

''خدمت کرو بیٹے! بہن کو پکڑو اور جاؤ! پیچھے مڑ کر مت دیکھنا! فی امان اللہ!'' اس کے باپ نے اس کی عمر سے کہیں زیادہ بڑی ذمہ داری اسے سونپ دی تھی۔

اس کا باپ اب ایسی راہ کا تعین کر چکا تھا جہاں سے واپسی ناممکن تھی۔ ہندو گلی کے ہر گھر کے دروازے کو توڑتے ہوئے مکینوں کو موت کی گھاٹ اتار رہے تھے جونہی ان کی نظر اس کے باپ پر پڑی وہ اس کو مارنے کے لیے اس کی طرف دوڑے۔

یہ وہ لوگ تھے جن کے ساتھ اس کے باپ نے اپنی جوانی گزاری تھی۔ وہ لوگ جنہوں نے جینے مرنے کی قسمیں کھائی تھیں۔ وہ لوگ جو دکھ درد کے ساتھی تھے اور آج...... وہ اس کے باپ کو

مارنے جارہے تھے کیوں؟

ایک ایسی سرزمین...... جو "لا الہ الا اللہ" کی بنیاد پر بنائی گئی۔ اس کے لیے کتنے اپنوں نے اپنے کتنے عزیزوں کو خود اپنے ہاتھوں سے مارا کیونکہ نفرت کی آگ محبت کی ساری بستی کو راکھ کر دیتی ہے۔

فضا میں اس کے باپ کی چیخ بلند ہوئی، کیونکہ اس کے جگری یار کی تلوار اس کے پیٹ میں بری طرح دھنسی ہوئی تھی۔

ایک اور شہید۔

☆......☆......☆

عثمان صاحب کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوچکی تھی کیونکہ درد تو اسے ہی ہونا تھا جس نے کچھ کھویا تھا۔ کل کے دن کیا وہ مسکرا سکیں گے۔ خود کے سامنے لٹتی عصمتوں، فضا میں بلند ہوتی چیخوں کی پکار کیا انہیں مسکرانے کی اجازت دے گی۔

وہ قوم جس کے بچوں، بڑوں کے لیے یہ چھٹی کا دن ہے، کیا وہ آزاد ہیں؟ جنہوں نے ان کے اپنے ان سے چھین لیے۔ ان کی رسومات سے جڑے ہوئے ہیں وہ کیا آزاد ہیں؟

وہ قوم جو انگریزوں کی غلامی آج بھی کر رہی ہے۔ وہ قوم جس نے وطن تو اللہ کے دین پر قائم رہنے کے لیے خون کے پیسوں سے حاصل کیا وہ آج اسی سرزمین پر اللہ کا خوف کھائے بغیر اسی کی نافرمانی کر رہی ہے کیا وہ آزاد ہیں؟

وہ لوگ جو سستی کے مارے ہیں؟ وہ قوم جو گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ کہہ نہیں سکتی، وہ قوم جو شیطان کے بہکاوؤں میں ڈوبی ہے کیا وہ آزاد ہیں؟

معاف کیجیے گا دوستو! وہ قوم آزاد کہاں؟ وہ تو ایسی غلامی میں جکڑے لوگ ہیں جو ایک خاموش زہر کی مانند ہے جو آہستہ آہستہ انہیں اس قدر کمزور کردے گی کہ وہ فنا ہو جائیں گے۔

یہ وہ قوم ہے جو چودہ اگست پر جھنڈیاں لگانا فرض سمجھتی ہے اور بعد میں وہ جھنڈیاں پیروں تلے روندھی جائے انہیں کیا فرق پڑتا ہے۔ اس دن ان کے شہدا ان کی طرف سے ایصالِ ثواب کا انتظار کرتے ہے۔ ان کا انتظار......صرف انتظار ہی رہ جاتا ہے۔ کیا ہوگا جو کل انہوں نے تمہارا گریباں پکڑ لیا۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

زنجیروں میں جکڑے رہنا محض غلامی ہے کہاں
غیرت کا سوئے رہنا بھی غلامی ہے یہاں

❁❁❁

وطن کی محبت

تسلیمہ موسیٰ



خدا کرے میری ارض پاک پہ اترے
وہ فصلِ گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو
یہاں جو پھول کھلے وہ کھلا رہے برسوں
یہاں خزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو

سہیل منیر ایک سچا پاکستانی تھا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ رزوگار کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا مگر بے سود اپنے وطن میں سے کوئی نوکری نہ ملی ۔یہاں نوکری سفارش اور رشوت کے بغیر نہیں ملتی تھی اپنے وطن کا یہ حال دیکھ کر اسے دکھ ہوتا تھا کہ اس کے پیارے وطن کو کچھ لالچی اور خود غرض لوٹ رہے ہیں۔ اپنے وطن میں جب کچھ نہ ملا تو وہ ایک دوست کیساتھ قسمت آزمانے سعودیہ چلا گیا۔

پہلے پہل تو وہ مزدوری کرتا رہا جب کچھ پیسے ہاتھ آگئے، تو ایک دکان کرائے پر لے لی اور پھر گوشت بیچنے لگا اچھی خاصی کمائی ہو رہی تھی۔ ایک دوبارہ وہ اپنے وطن کا چکر بھی لگا آیا تھا۔ ان پانچ سالوں کے درمیان اسکے مالی حالات بہت اچھے ہو گئے تھے۔ وطن سے دور رہ کر اسے احساس ہوا تھا کہ حقیر سے حقیر کمزور سے کمزور مخلوق حشرات الارض سے لیکر اشرف المخلوق حضرت انسان تک اپنے مسکن کے بغیر ادھورا کیوں ہے؟

اسے اب اپنے وطن کی یاد ستانے لگی تھی۔

وہاں اس کا سارا بچپن گزرا تھا اس وطن سے اس کی کھٹی میٹی یادیں وابستہ تھیں جب بھی کوئی خوشی کا موقع آتا تو اسے اپنا وطن شدت سے یاد آتا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اب کی بار یہ ۱۴ اگست اس پردیس میں مناؤں پھر میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے پاک وطن چلا جاؤنگا۔ وہیں اپنے وطن کی روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کرلونگا مگر اپنے وطن سے زیادہ دور نہیں رہ سکتا۔

سہیل منیر کی دکان کے ساتھ ایک ہندو بنیے کی دکان تھی۔ سہیل کو معلوم تھا کہ یہ ہندو کبھی مسلمانوں خاص کر پاکستانوں کے دوست کبھی نہیں بن سکتے۔ وہ اسکی دوستی سے بچا ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ان کی بغل میں چھری اور منہ میں رام رام ہوتا ہے۔ رام پرکاش ایک کٹر ہندو تھا۔ اس کی دوکان سہیل کی دکان کیساتھ تھی۔

اکثر اوقات وہ سہیل کی دکان پر یہ دیکھنے آتا تھا کہ وہ کس جانور کا گوشت بیچ رہا ہے، کئی بار رام پرکاش سہیل کو متنبہ کر چکا تھا کہ گائے کا گوشت مت رکھنا۔ کئی بار جان کی بھی دھمکی دی۔ ایک دن رام پرکاش نے اس کی دکان پر گائے کا گوشت دیکھا تو اسے غصہ آ گیا تو کہا۔

اوہ بابو! کہا تھا ناں کہ ہماری گاؤ ماتا کی بے حرمتی ناں کرنا یہ ہماری ماتا ہے اس کی رکشا کرنا ہماری جمہ داری ہے"

"رام پرکاش جی! وہ آپ کی ماتا ہے تو یہ ہماری پسندیدہ غذا ہے۔ اس کا گوشت ہمیں بے حد پسند ہے، ہم تو گائے کاٹتے رہینگے اور اسکا گوشت کھاتے رہینگے۔ اپنا یہ دھونس اور یہ دھمکیاں بھارت میں جا کر دینا ادھر تمہاری دال نہیں گلنے والی" سہیل مسکرایا۔

سہیل کا یہ جواب رام پرکاش کے سینے پر تیر کی طرح لگا تھا۔ وہ غصے سے اپنی دکان پر چلا گیا۔ اس دن کے بعد رام پرکاش طرح طرح کے اوچھے ہتھکنڈے آزمانے لگا۔ وہ سہیل کو طرح طرح سے تنگ کرنے لگا۔ ایک دن جن سہیل ظہر کی نماز پڑھنے گیا تو رام پرکاش نے اس کی دکان سے گائے کا گوشت غائب کروا دیا۔

سہیل دکان پر واپس آیا تو گوشت کو نہ پا کر حیران ہوا مگر رام پرکاش کا چہرہ دیکھ کر اسے سمجھنے میں ایک لمحے کی بھی دیر نہ لگیمگر وہ صبر کا گھونٹ پی کر رہ گیا۔ دن بدن رام پرکاش کی دشمنی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ سہیل جلد از جلد اپنے وطن واپس جانا چاہتا تھا۔ اس نے سوچا کہ وطن چاہے جیسا بھی ہو اپنا وطن تو اپنا ہی ہوتا ہے۔ وہاں ہمیں مکمل آزادی میسر ہے اسے اب اپنے وطن کی اصل اہمیت معلوم ہوتی تھی۔

یہ چھٹا سال تھا جو سہیل ادھر ۱۴ اگست منا رہا

تھا۔ آج ۱۴ اگست کا دن تھا۔ وہ بہت خوش تھا۔ اسی دن پاکستان " لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ " کی بنیاد پر معرض وجود میں آیا تھا۔ تاریخ انسانی کی سب سے بڑی ہجرت انتقال آبادی صرف روٹی، کپڑا اور مکان کے لئے نا تھی بلکہ اسلامی نظام حکمت اور اسلامی نظام حیاۃ کے قیام کے واسطے تھی۔

سارے وسائل و علائق چھوڑ کر تہی دست و تہی دامن ہو کر ارض پاکستان کو ترجیح دینا ایمان و اسلام کی بنیاد پر ہی تھا۔ وہ صبح سویرے ہی اپنی دکان پر آ گیا تھا۔ وہ اس بار جب پاکستان گیا تھا تو اپنے ساتھ وہاں سے بہت سارے سبز ہلالی پرچم بھی لے آیا تھا۔ وہ اپنی دکان سبز ہلالی پرچموں سے سجانے لگا۔ رام پرکاش اسے یوں پرچم لگاتے اور خوشی سے گنگناتے دیکھ کر برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ کوئی شرارت کے بارے میں سوچنے لگا۔ سہیل نے ریڈیو آن کر رکھا تھا۔ ریڈیو پر ۱۴ اگست کی تقریب براہ راست نشر کی جا رہی تھی۔

اب قومی ترانہ بجایا جا رہا تھا۔ سہیل ہر کام چھوڑ کر قومی ترانے کے احترام میں کھڑا ہو گیا۔ رام پرکاش سے برداشت نہ ہوا تو وہ سہیل کی دکان پر آ گیا اور غصے سے بولا۔

" بند کرو ریڈیو! میرے سر میں درد ہو رہا ہے " قومی ترانہ ختم ہوا تو سہیل مسکراتے ہوئے بولا۔

" رام جی! اب درد تو ہر جگہ ہوگا" یہ کہہ کر وہ دوبارہ جھنڈیاں لگانے لگا۔

" جرا (زرا) گوشت تو دینا۔" رام پرکاش نے کچھ سوچ کر کہا۔

" گاؤ ماتا کا؟" سہیل مسکرا کر بولا۔

رام کو غصہ آ گیا۔ اس نے سامنے رکھی جھنڈیوں میں سے ایک جھنڈی گرا دی اور اس کے اوپر پاؤں رکھ دیا۔ سہیل نے جب یہ دیکھا تو غصے سے اسے دھکا دے کر جھنڈی اٹھائی اسے صاف کر کے چوم لیا۔

" ارے واہ جی واہ!۔ اتنی محبت" سہیل مسکرایا۔

" یہ تو کچھ بھی نہیں ہے اگر وقت آئے تو اس پرچم اور اپنے وطن کے لئے ہماری جان بھی حاضر ہے کیا تم لوگ چھ دسمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ بھول گئے، جب تم لوگوں کی بزدل فوج رات کے اندھیرے میں طاقت کے نشے میں چور ہو کر ہمارے ملک پر قبضے کی نیت سے حملہ آور ہوئی تھی مگر الحمدللہ ہماری بہادر افواج اور غیور عوام نے تمہاری بزدل فوج کو ناکوں چنے چبوا دیئے تھے اور وہ ناکام و نامراد ہو گئی۔ اس مملکت خداداد کو مٹانے کا انکا یہ خواب صرف خواب ہی رہ گیا"

" یہ کل بھی بھارت کا حصہ تھا آج بھی ہے اور کل بھی رہیگا۔ ہم بہت جلد اپنا حصہ واپس لے لینگے اور تم لوگوں نے جور جبردستی (زور زبردستی)

ہمارے کشمیر پر بھی قبضہ کر رکھا ہے'' رام پرکاش نے اکھنڈ بھارت جے بھارت کا نعرہ لگاتے ہوئے کہا۔

''بھول ہے تمہاری رام پرکاش! ہم پاکستانی تم لوگوں کی ہڈیاں توڑ کر ہاتھ میں نہ دیں تو اُس دھرتی کے بیٹے نہیں آکر تو دیکھو! اس وطن کے محافظ اس کی سرحدوں کی حفاظت پر مامور ہیں'' رام پرکاش کی بات سن کر سہیل نے کہا۔

''تیری دھرتی کی ایسی کی تیسی مار مار کر تم سالوں کا بھرکس نکال دینگے۔'' رام پرکاش بکواس کرنے لگا جو منہ میں آرہا تھا وہ بک رہا تھا۔

''خبردار! جو ایک اور لفظ بھی میری پاک سرزمین کے بارے میں کہا بھی تو قتل کر دونگا میں تمہارا'' سہیل نے اس کی گردن دبوچ لی۔

''ابے چل نکل! بڑا آیا ہے قتل کرنے والا، کہوں گا ہجار (ہزار) بار کہو گا۔ تیرے وطن کی ایسی کی تسیی۔'' سہیل سے برداشت نہ ہوا اور لگا رام پرکاش کو مارنے دونوں گتھم گتھا ہوگئے۔ مگر سہیل اس پر حاوی تھا، رام پرکاش پھر بھی بکواس کئے جارہا تھا سہیل کے ہاتھ میں چھری آگئی اور ایک ہی وار میں رام پرکاش کا گلہ کاٹ کر اسے زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نجات دلادی اسے خاموش کر دیا۔

جلد ہی یہ خبر پھیل گئی کہ سہیل منیر نے ایک بھارتی کا قتل کر دیا۔ پولیس اسے گرفتار کر کے لے گئی۔ اس پر مقدمہ چلا اور پھر قتل کے جرم میں اسے سزائے موت سنادی گئی مگر اسے کوئی افسوس ناں تھا، اس نے یہ سب اپنے وطن کی محبت میں کیا تھا۔ اسے کوئی پشیمانی ناں تھی۔

اسے مقتل گاہ لے جایا گیا، تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی، سہیل کو قتل کی سزا مل چکی تھی، وہاں موجود لوگوں نے دیکھا تھا کہ سہیل منیر کی قمیض کی جھولی کا ایک کونا بند تھا جب وہ کونا کھولا گیا تو یہ دیکھ کر سب حیران رہ گئے اس میں ایک مروڑی ہوئی پاکستانی پرچم کی جھنڈی تھی، یہ جھنڈی سہیل کی وطن سے محبت کی گواہی دے رہی تھی۔

❀❀❀

تین لوگوں کا مدعی کون؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ جن کا قیامت میں میں خود مدعی بنوں گا۔ ایک تو وہ شخص جس نے میرے نام پہ عہد کیا، اور پھر وعدہ خلافی کی۔ دوسرا وہ جس نے کسی آزاد آدمی کو بیچ کر اس کی قیمت کھائی اور تیسرا وہ شخص جس نے کسی کو مزدور کیا، پھر کام تو اس سے پورا لیا، لیکن اس کی مزدوری نہ دی۔ (صحیح بخاری)



طلحہ کا یوم آزادی

آج پاکستان کا یوم آزادی تھا۔ طلحہ بڑے شوق سے آج امی کو تنگ کیے بغیر صبح ہی صبح بیدار ہو گیا تھا کیونکہ آج یوم آزادی کے سلسلے میں اسکول میں خصوصی پروگرام کا انعقاد کیا گیا تھا اور طلحہ اس کے لیے بڑا پرجوش اور پرعزم تھا۔

پروگرام میں بچوں کے لیے یوم آزادی کے موضوع پر تقریری اور ذہنی آزمائش کے مقابلے ہونے تھے اور نمایاں کامیابی حاصل کرنے والے طلبا کو انعامات سے نوازا جانا تھا۔

طلحہ نے ذہنی آزمائش کے مقابلے میں حصہ لینے کے لیے بھرپور تیاری کی تھی۔ مختلف بچوں کو ذہنی آزمائش کے مقابلے کے لیے منتخب کیا گیا تھا جن میں طلحہ بھی شامل تھا۔

طلحہ ساتویں جماعت کا ایک ہونہار طالب علم تھا اور پاکستان سے اس کو والہانہ محبت تھی۔ اسی لیے وہ قیام پاکستان کی تاریخ، قائداعظم رحمہ اللہ اور علامہ اقبال رحمہ اللہ کے بارے میں پڑھتا رہتا تھا اور اپنی معلومات میں اضافہ کرتا رہتا تھا۔ اسی لیے جب یوم آزادی کے مقابلے کے لیے لڑکوں کا انتخاب ہوا تو طلحہ بآسانی منتخب ہو گیا۔

رات بھی دیر تک وہ ذہنی آزمائش کے متوقع سوالات کو ذہن نشین کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ اس نے عزم کیا تھا کہ وہ ذہنی آزمائش کا مقابلہ ضرور جیتے گا۔ آخر اس نے محنت بھی تو بہت کی تھی۔



”تو کیسی تیاری ہے میرے بیٹے کی؟“ امی نے طلحہ کو ناشتہ دیتے ہوئے بہت

پیار سے پوچھا تھا۔

''امی! زبردست! بس آپ دعا کریں کہ آپ کا بیٹا اول آئے۔'' طلحہ نے خوداعتمادی سے جواب دیا۔

''ان شاء اللہ میرا بیٹا ضرور سرخرو ہو گا۔'' امی نے طلحہ کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

ابو بھی ناشتے کی میز پر ماں بیٹے کے مکالمے کو سن کر مسکرا رہے تھے۔ انھوں نے بھی طلحہ کو دعا دی۔

''بیٹا! اللہ آپ کو کامیابی عطا کرے۔''

ناشتے سے فارغ ہو کر طلحہ اپنے ابو کے ساتھ اسکول جانے لگا تو امی نے اسے گلے لگا کر دعا دی۔

اسکول میں ہر طرف قومی پرچموں کی بہار آئی ہوئی تھی۔ اساتذہ اور طلبا سب قومی جذبے سے سرشار نظر آتے تھے اور کیوں نہ ہوتے کہ یہ پیارا وطن کتنی قربانیوں اور مشکلات سے حاصل ہوا ہے۔ اسکول میں داخل ہوتے ہی طلحہ اپنے دوستوں کی طرف چلا گیا۔

''طلحہ! کیسی تیاری ہے بھئی تمھاری؟'' جہاں زیب نے طلحہ کو دیکھتے ہی پوچھا۔

''بھئی طلحہ سے کیا پوچھنا۔ اس کی ہمیشہ بھرپور تیاری ہوتی ہے۔''

شاہد نے طلحہ کے جواب دینے سے پہلے ہی لقمہ لگا دیا۔

''یار! تیاری تو بہت اچھی ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ کامیابی نصیب کرے۔'' طلحہ نے جواب دیا۔

''آمین۔'' سب دوستوں نے طلحہ کی بات پر آمین کہا۔

''یار شاہد! تم بتاؤ! آج کس موضوع پر تقریر کر رہے ہو؟'' طلحہ نے شاہد سے پوچھا جو تقریری مقابلے میں آج اپنے فن کے جوہر دکھانے والا تھا۔ شاہد اچھا مقرر تھا اور بھرپور انداز میں اپنے موضوع کا حق نبھاتا تھا۔

''طلحہ! آج کا موضوع ''تحریک پاکستان میں بچوں کا کردار'' منتخب کیا ہے۔'' شاہد نے موضوع بتایا۔

''ماشاء اللہ! بہترین موضوع ہے۔ اللہ تم کو کامیاب کرے۔'' طلحہ نے شاہد کے لیے نیک خیالات کا اظہار کیا۔

جشن آزادی کی خصوصی تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد قومی ترانہ پڑھا گیا۔ تمام اساتذہ اور بچے اپنی اپنی جگہ پر احتراماً کھڑے ہو گئے۔

قومی ترانہ کے بعد اسکول کے پرنسپل فراز صاحب نے طلبا سے خطاب کیا۔ انھوں نے قیام پاکستان کی مختصر تاریخ ذکر کرتے ہوئے قربانیوں اور مشکلات کا ذکر کیا اور بتایا کہ مسلمانوں نے بے پناہ مشکلات کے باوجود اللہ کی مدد اور اس پر بھروسے کی بنیاد پر یہ وطن حاصل کیا۔

فراز صاحب نے بتلایا کہ ہم سب کو وہ

نظریہ یاد رکھنا چاہیے جس کی بنیاد پر یہ وطن حاصل کیا گیا اور وہ نظریہ ''لا الہ الا اللہ'' کا نظریہ تھا۔ پاکستان بننے کی تحریک میں سب کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا ''پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ'' یہ نعرہ ہمیں یہ نظریہ دیتا ہے کہ یہ مملکت اللہ کے نام پر وجود میں آئی ہے اور یہاں اللہ ہی کا نظام نافذ ہوگا۔

فراز صاحب نے بچوں پر زور دیا کہ وہ اچھے مسلمان اور اچھے پاکستانی بن کر ملک وقوم کا نام روشن کریں۔ انھوں نے ان تمام بچوں کو مبارک باد دی جنھوں نے آج کے پروگرام میں کسی نہ کسی مقابلے میں حصہ لیا۔ انھوں نے کہا کہ ان مقابلوں میں شرکت کرنے سے ذہنی نشوونما کے ساتھ ساتھ معلومات کا خزانہ بھی حاصل ہوتا ہے جو بچوں کی زندگی میں ہر اعتبار سے کارآمد ہوتا ہے۔

فراز صاحب کی تقریر کے بعد ملی نغمے پڑھے گئے۔ ملی نغموں کے بعد مقابلوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ سب سے پہلے تقریری مقابلہ ہوا۔ تقریری مقابلے میں پندرہ طلبا منتخب ہوئے تھے۔ سب نے اپنے فن کے جوہر دکھائے۔ شاہد نے بھی زبردست تقریر کی تھی۔ تقریری مقابلے کے بعد نتائج کا اعلان ہوا۔ پہلی، دوسری اور تیسری پوزیشن لینے والوں کو تحائف اور سند سے نوازا گیا۔ طلحہ کے دوست شاہد کی دوسری پوزیشن آئی تھی۔

تقریری مقابلے کے بعد ذہنی آزمائش کے مقابلے کا اعلان ہوا۔ اس میں بیس طلبا شریک تھے۔ اس سلسلے میں جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ ہر لڑکے سے دس دس سوالات کیے جارہے تھے۔ دسویں نمبر پر طلحہ کا نام پکارا گیا تو اس نے جلدی سے اللہ سے کامیابی کی دعا کی۔ طلحہ نے دس سوالات میں سے نو سوالات کے جوابات درست دیے تھے۔ طلحہ سے پہلے ہر لڑکے کے درست جوابات نو سے کم ہی تھے۔ سوالات مشکل تھے اور مکمل تیاری کے بغیر ان کا جواب دینا مشکل تھا۔ طلحہ کے بعد دس لڑکوں میں سے تین لڑکوں نے نو سوالات کے جوابات درست دیے۔ اس طرح چار لڑکے ایسے ہو گئے جن کے نو جوابات درست تھے۔ اب ان چار لڑکوں سے پانچ پانچ سوالات پوچھے گئے۔ طلحہ اور دو لڑکوں نے پانچوں سوالات کے جوابات درست دیے۔ اب ان تین لڑکوں سے دوبارہ پانچ پانچ سوالات پوچھے گئے کیونکہ پہلی، دوسری اور تیسری پوزیشن کا تعین کرنا تھا۔ طلحہ نے چار سوالات کے درست جوابات دے دیے لیکن باقی دو لڑکوں میں سے ایک لڑکے نے تین اور ایک لڑکے نے دو سوالات کے درست جوابات دیے۔

طلحہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ سخت مقابلے کے بعد اول آیا تھا۔ اس نے اپنا انعام اور سند وصول کی۔ تمام دوستوں اور اساتذہ اسے مبارک باد دے رہے تھے۔

تقریب کے اختتام پر اسکول کے پرنسپل فراز صاحب نے مقابلوں میں حصہ لینے والے اور کامیاب ہونے والے طلبا کو مبارک باد دی۔ جو طلبا پوزیشن حاصل نہیں کر سکے، فراز صاحب نے ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا کہ آپ سب بچے بھی کامیاب ہیں کیونکہ آپ نے کوشش کی ہے۔ آپ لوگ کوشش جاری رکھیں گے تو پوزیشن بھی حاصل کرلیں گے۔

یوم آزادی کی پروقار تقریب اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھی۔ طلحہ کے ابو اس کو لینے اسکول پہنچ گئے تھے۔ طلحہ کی کامیابی کا سن کر وہ بہت خوش ہوئے اور طلحہ کو مبارک باد دی۔ گھر میں امی نے بھی اس کو گلے لگایا۔ امی نے طلحہ کی من پسند چکن بریانی تیار کر رکھی تھی۔ بریانی نے کامیابی کی خوشی کو دوبالا کر دیا تھا۔

کھانے کی میز پر طلحہ کے ابو نے طلحہ کو نصیحت کرتے ہوئے کہا۔

”بیٹا! تم نے مقابلے کے لیے بہت محنت کی جس کا پھل تمھیں اللہ نے دیا۔ آج یوم آزادی ہے۔ تم نے آج اس بات کا عزم کرنا ہے کہ جس طرح تم نے اول آنے کے لیے بھرپور محنت کی، اسی طرح کی محنت تم کو اس ملک کے لیے بھی کرنی ہے۔ اس کے لیے تم کو دل لگا کر پڑھنا ہے اور اس قابل بننا ہے کہ اس ملک کی خدمت کرسکو اور اس خدمت میں بھی اول آؤ!

بیٹا! یہ ملک اللہ نے بہت قربانیوں کے بعد ہمیں عنایت فرمایا ہے۔ اس لیے اس کے لیے جتنا کچھ ہم اپنی زندگی میں کر سکتے ہیں، ہمیں کرنا چاہیے تا کہ اللہ کے دربار میں بھی ہم اول نمبر پر آئیں۔“

”ابو! میں وعدہ کرتا ہوں کہ پاکستان کی بہت خدمت کروں گا۔ اللہ مجھے اس قابل بنا دے“ طلحہ کی بات پر اس کے ابو اور امی نے ایک ساتھ مسکراتے ہوئے ”آمین“ کہا۔

❁❁❁

مالدار کون؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”غِنیٰ یعنی مال داری، مال اور ساز و سامان کی کثرت سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ غِنیٰ تو نفس کی مال داری (یعنی قناعت) ہے۔“ **(صحیح مسلم)**

محمد شاکر



گلاب جامن کا ڈبّہ!!

ہادیہ جنید

چیونٹیوں کی یہ کالونی بہت بڑی تھی۔ اتنی بڑی کہ آم کی چار گٹھلیاں اس میں آرام سے آجائیں۔ اس کالونی میں آج ہر کوئی افسردہ تھا۔

”انسان اب اتنے ظالم ہو گئے؟“

”کائنات کی سب سے سمجھدار مخلوق، اتنی بے خوف ہو گئی ہمارے رب سے؟“

ملکہ چیونٹی کے دربار میں آنے تک یہ سب ہونے والے واقعے پر اپنی اپنی رائے دے رہے تھے اور ملکہ چیونٹی اپنے محافظوں کے ساتھ قطار بنا کر بل یعنی کالونی کے باہر کا جائزہ لینے گئی ہوئیں تھیں تاکہ اگر باہر کوئی خطرہ ہو تو اس سے بل کو بچایا جا سکے۔ یہ ان کا روز کا معمول تھا۔

❁❁❁

چیونٹیوں کی یہ کالونی جس باغ میں تھی وہ ہبہ گڑیا کا گھر تھا۔ ہبہ گڑیا کی سہیلی کی ”بسم اللہ“ ہوئی تو انہوں نے ہبہ گڑیا کو بھی پانچ گلاب جامنوں کا ایک ڈبّہ بھیجا۔ مزے دار میٹھی میٹھی گلاب جامنیں۔ ہبہ گڑیا کے منہ میں پانی آ گیا۔ اس نے جلد ہی گلاب جامنیں تھوڑی مگر جلدی جلدی کھائیں۔ شام میں پھر ہبہ گڑیا کا گلاب جامنیں کھانے کا دل چاہا تو وہ کچن میں آئی مگر وہاں ڈبّہ کھول کر جیسے ہی اس نے اندر ہاتھ ڈالا تو ”اف! اف! اف!“ ڈبّے کے اندر موجود شیرے کے کاغذ پر ڈھیروں چیونٹیاں مزے لے لے کر شیرہ کھا رہیں تھیں۔ ہبہ گڑیا کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اس نے جلدی سے لائٹر سے چولہا جلایا اور

کاغذ اٹھا کر چولہے پر ڈال دیا۔

''اگر یہ چیونٹیاں بڑھ گئیں تو سارے گھر میں پھیل جائینگی پھر سب کو کاٹیں گی اف! کتنی تکلیف ہوگی'' ہبہ گڑیا نے سوچا۔

❁❁❁

''ارے یہ انسان ہم چیونٹیوں کو بہت چھوٹی سی مخلوق سمجھتے ہیں۔ان کو کیا معلوم ہمیں کتنی تکلیف ہوتی ہے'' دربار میں موجود کسی بزرگ چیونٹی کی آواز آئی اسکی عمر تقریباً دو سال تھی۔

''مگر جلنے کا عذاب تو صرف وہی دے سکتا ہے جسکی ہم صبح وشام تسبیح کرتے ہیں''

اتنے میں کالونی کے محافظوں کی آواز گونجی۔

''ملکہ چیونٹی حاضر ہورہی ہیں'' کالونی کی تمام چیونٹیاں ان کے احترام میں خاموش ہوگئیں۔

ملکہ چیونٹی اپنے اوراپنے محافظوں کے ساتھ کل ملا کر گیارہ شکر کے دانے لائی تھیں جنہیں سب نے کھا کر اپنی بھوک مٹائی اور اللہ کی حمد کی اور پھر دربار میں حاضر ہوگئے۔ ملکہ چیونٹی اپنی جگہ پر حاضر ہوئیں۔

''اے میری کالونی کی چیونٹیو! میں ہبہ گڑیا والا معاملہ جانتی ہوں اور آپ لوگوں کی ہونے والی گفتگو بھی مجھ تک پہنچ چکی ہے''

''ملکہ! ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ رات ہم سب قطار بنا کراور دوراورقریب اپنے ساتھی بٹھا کر گڑیا کے پاؤں پر حملہ کرینگے۔ ہم اسکے ساتھ ویسے ہی برا کرینگے'' ایک چیونٹی روتے ہوئے کہنے لگی۔

''اے میری کالونی کی چیونٹیو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہبہ گڑیا کی امّی نے اس کے اس کام پر اسے بہت اچھی طرح سمجھایا ہے۔ امید ہے وہ سمجھ چکی ہوگی جو ہوا اس پر راضی رہو! اس رب سے ناراض نہ ہو جو ہمیں صبح شام بہترین رزق دیتا ہے۔ الحمدللہ''

''اچھا ہوا اس کو ڈانٹ پڑی، بہت اچھا ہوا'' دربار میں موجود ایک چیونٹی کی آواز آئی۔ ملکہ چیونٹی کہنے لگیں۔

''ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے تمام انسان، جن اور پرندوں کے لشکر کے ساتھ جا رہے تھے۔ تمام انسانیت میں صرف انہی کو اللہ کی طرف سے جانوروں اور چرند پرند کی بولی سمجھ آتی تھی۔ وہ جب چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے سب چیونٹیوں کو اپنے اپنے بلوں میں چلے جانے کو کہا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں سلیمان اور اسکا لشکر انہیں روند ڈالے۔ اللہ کے نبی حضرت

سلیمان علیہ السلام اس بات پر مسکرانے لگے اور اللہ نے چیونٹیوں کا یہ پورا واقعہ قرآن پاک میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔

جن چیونٹیوں کا اس قرآن میں ذکر ہے۔

اے میری کالونی کی پیاری چیونٹیو! وہ برا چاہنے والی چیونٹیاں نہیں تھیں۔ وہ خیر خواہ تھیں۔ انہوں نے انسان جیسی مخلوق کے بارے میں اچھا گمان کیا تھا کہ وہ انجانے میں کہیں تمہیں روند نہ دیں۔ اے میری کالونی کی پیاری چیونٹیو! ہمیں برا چاہنا، برا گمان کرنا، یہ سب ہم پہ اچھا نہیں لگتا۔ یہ سب للہ کی بندگی کرنے والوں پر جچتا نہیں ہے۔ اللہ ہم سے راضی ہو، گڑیا کو ہم سب نے معاف کیا، اللہ تم سب کی حفاظت کرے''

ملکہ چیونٹی کی بات دربار میں سب نے غور سے سنی۔ سب اپنی اس سوچ پر شرمندہ ہونے لگیں اور آئندہ بھی برا نہ سوچنے کا عہد کیا۔

❀❀❀

بچو! جب چیونٹیاں کسی کا برا نہیں سوچتیں تو ہم انسان بھی اب کسی کا برا نہیں چاہینگے اور نہ دوسرے انسانوں کے بارے میں برا گمان کرینگے۔

اس کہانی میں اور بھی بہت سے سبق چھپے ہیں۔

بچو! کیا آپ اللہ کی کتاب کھول کر ان پر سوچنا پسند کرینگے؟

❀❀❀

رسول ﷺ سب سے زیادہ بہادر!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک رات مدینہ پر (ایک آواز سن کر) بڑا خوف چھا گیا تھا، سب لوگ اس آواز کی طرف بڑھے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آگے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی واقعہ کی تحقیق کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے ایک گھوڑے پر سوار تھے جس کی پشت ننگی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن سے تلوار لٹک رہی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ ڈرو مت۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے تو گھوڑے کو سمندر کی طرح تیز پایا ہے یا یہ فرمایا کہ گھوڑا جیسے سمندر ہے۔ (صحیح بخاری)

محمد بن جواد بہاولپور

سلمان یوسف

کچھوا اور خرگوش



دوسری بار کا ذکر ہے کہ پوکو نامی ایک خرگوش رہتا تھا اسکا رنگ سفید تھا، اپنے سفید رنگ کی بدولت وہ بہت خوبصورت نظر آتا تھا۔ وہ دوڑتا بھی بہت تیز تھا۔ جنگل کے جانور اس کی خوبصورتی اور تیز رفتاری پر بڑا رشک کرتے تھے تبھی وہ غرور کرتا تھا، اگر کسی چیز میں غرور کی وبا بھر جائے تو وہ چیز زمین پر ٹکنا پسند نہیں کرتی، ہواؤں میں اڑتی پھرتی ہے۔

پوکو کا بھی یہی حال تھا۔ اپنے آگے وہ کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتا تھا، ہواؤں میں اڑتا رہتا زمین پر ٹکنا اسے پسند نہیں تھا کہ کہیں پاؤں میلے نہ ہو جائیں۔

''پوکو! تم کتنے حسین ہو!'' مینی ہرن اسکی خوبصورتی پر رشک کرتے ہوئے بولتا۔

''بیشک!'' وہ اتراتا۔

تمہارا جسم تو بالکل برف کے گالوں کی طرح ہے'' چونو زرافہ اسے چھوتے ہوئے کہتا۔

''بلاشبہ!''

وہ سینہ تان کر اور گردن اکڑا کر کہتا۔

''تم جنگل کی رونق اور خوبصورتی بڑھاتے ہو'' اس کے دوست پنو خرگوش کی یہی بات اس کی گردن میں سریہ فٹ کر دیتی، جس سے اس کی

گردن مزید اونچی ہوجاتی۔ اسی طرح کی اور باتیں پوکوخرگوش کوغرور وتکبر کی دلدل میں دھکیل دیتیں۔

پوکواپنے سے کم تر اور بدصورت جانوروں کا خوب مذاق اڑاتا، ان پر آوازے کستا، طنز اور طعنوں کی بارش برساتا کچھ جانور اسے پلٹ کر جواب دے دیتے، جبکہ کچھ مسکرا کر خاموش ہوجاتے تھے۔

☆......☆......☆

اس دن پوکوخرگوش کہیں جارہاتھا کہ راستے میں اسے ایک سست رفتار کچھوا رینگتا ہوادکھائی دیا۔

''تم جیسا سست رفتار کچھوامیں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا جوآہستہ آہستہ رینگتا ہوا جارہا ہو!''

پوکوخرگوش اس کے پاس جاکر اس پر طنز کرتے ہوئے بولا۔

''اورتم جیسا بدتمیز خرگوش میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزوں کو تضحیک کا نشانہ بنائے!''

کچھوے نے سر اٹھایا۔

''منہ سنبھال کربات کرو!''پوکو چلایا۔

''یہ منہ اورمسور کی دال!''

کچھوا طنزیہ ہنسی ہنسا۔

''تمہارا منہ توڑ دوں گا میں، پتہ نہیں خودکو سمجھتے کیا ہو؟''پوکوغرایا۔

''میں تم سے زیادہ طاقتور ہوں، مجھے سے الجھو گے تو منہ کی کھاؤ گے'' ان کی گفتگو کے درمیان ''منہ'' موضوع سخن بن گیا۔

''اور میں خودکو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیز سمجھتا ہوں، تم تو خودکو بہت خوبصورت اور حسین سمجھتے ہو'' کچھوا مسکرایا۔

''ہاں! خوبصورت اور حسین تو میں ہوں'' اس نے پھر غرور کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن اپنی خوبصورتی پر اتراتے نہیں ہیں، نہ ہی غرور کیا کرتے ہیں'' کچھوے نے سمجھایا۔

''میرا دماغ خراب مت کرو!''پوکو چلا کر بولا۔

''تمہیں نصیحتوں کی وافر مقدار میں ضرورت ہے'' کچھوا مسکراتا ہوا دوبارہ اپنے اسی راستے پر رینگنے لگا۔

''اور تمہیں سبک رفتاری کی بڑی ضرورت ہے'' وہ طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

کچھوا رکا اور عاجزی سے بولا ''نہیں! مجھے میرے رب نے ''سست رفتاری'' دی ہے میں اسی پہ راضی ہوں!''

''واہ بھئی! بڑے سیدھے سادے اور عاجزی پسند ہو''پوکو نے آوازہ کسا۔

''ہاں! کیونکہ سادگی اور عاجزی میرے رب کو بہت پسند ہے، میرا رب غرور اور تکبر پسند نہیں کرتا اور جانور کا دل خوبصورت ہونا چاہیے۔ ظاہری خوبصورتی اتنا اہمیت نہیں رکھتی!''

وہ عاجزی کے ساتھ مسکرایا۔

پوکو کے لمبے لمبے کان تھے، ہر دھیمی یا اونچی آواز کو وہ بآسانی سن لیتا تھا، مگر نجانے کیوں وہ کچھوے کی باتیں سن نہیں رہا تھا اور چہرے پر طنز بھری مسکراہٹ سجائے اسکو دیکھ رہا تھا۔

''لیکچر بہت اچھا دیتے ہو'' پوکو ہنسا۔

''ہاں اللہ تعالیٰ کا بڑا شکر ہے کہ اس نے مجھے اچھا لیکچر دینے والی خوبی سے نوازا'' وہ مسکرایا۔

''بس! بس! زیادہ ذہین اور دانشوار بننے کی ضرورت نہیں'' پوکو بیزاری سے بولا۔

''مجھے زیادہ ذہین اور دانشور بننے کی ضرورت ہے تاکہ میں آپ کو اچھے طریقے سے سمجھا سکو کہ عاجزی کیا ہے انکساری کیا ہے اور سادگی کیا ہے؟'' وہ بولا۔

''پتہ نہیں میں کس سر پھرے کچھوے کے متھے لگ گیا؟'' پوکو نے چہرے پر بیزاری لا کر کہا۔

''مجھے بھی آپ کے منہ لگنے کا قطعی شوق نہیں، مگر شاید آپ بھول رہے ہیں کہ آپ نے ہی میرا راستہ روکا اور مجھے باتوں میں الجھا دیا۔

یاد رکھیئے! غرور کا سر نیچا ہوتا ہے۔ آپ نے وہ کہانی تو سنی ہوگی جس میں کچھوا اور خرگوش دوڑ لگاتے ہیں اور خرگوش ہار جاتا ہے۔'' کچھوے نے کہا۔

''ہاں بالکل سنی ہے اور میں نے وہ کہانی بھی سنی ہے جس میں خرگوش اور کچھوے کے درمیان دوڑ کا مقابلہ ہوتا ہے اور کچھوا شکست کا مزہ چکھتا ہے'' پوکو مسکرا پڑا۔

''پھر ہم اپنے درمیان ''تیسری دوڑ'' لگا لیتے ہیں۔'' کچھوے نے کہا۔

''ہم م م م! خیال اتنا برا بھی نہیں ہے ویسے!'' پوکو ہنکارہ بھر کر بولا۔ کچھوا مسکرا دیا۔

''اچھا! پہلی دوڑوں کی طرح اس دوڑ میں بھی ہم میں سے کسی ایک کو اس بوڑھے برگد تک پہنچنا ہوگا جو جنگل کے آخر میں ہے'' پوکو بولا۔

''نہیں، اس دوڑ میں جدت ہوگی، یہ دوڑ پہلی دونوں دوڑوں سے بہت مختلف ہوگی''

کچھوا مسکرایا۔

''کیا مطلب ......؟'' پوکو نے حیرت زدہ انداز میں پوچھا۔

''وہ سامنے ندی دیکھ رہے ہو؟ کچھوے

نے ندی کی جانب دیکھا۔
''ہاں!'' پوکو بھی ندی کو دیکھتے ہوئے بولا۔
''میں اسی ندی میں رہتا ہوں''
کچھوے نے بتایا
''اوہ!'' پوکو کے منہ سے نکلا۔
''اس ندی کے پہلے کنارے سے اتر کر جو ندی کے دوسرے کنارے تک پہلے پہنچے گا، وہ جیت جائے گا'' کچھوا مسکراتے ہوئے بولا۔
''یہ تو کوئی ''دوڑنا'' نہیں ہوا۔ یہ تو ''تیرنا'' ہوا'' پوکو نے منہ بناتے ہوئے کہا۔
''جو بھی ہے، تم بولو! میرا چیلنج تمہیں قبول ہے؟'' کچھوے کے چہرے پہ موجود مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔
پوکو خرگوش سوچ میں پڑ گیا، معاملہ عزت کا تھا۔
''اگر کچھوے کا چیلنج قبول نہ کیا تو میری بہت بے عزتی ہوگی'' پوکو نے سوچا۔
''بولو! تم میرا چیلنج قبول کرتے ہو؟''
کچھوے نے اسکو سوچ سے باہر نکالتے ہوئے پوچھا۔
''ہاں! مجھے قبول ہے''
پوکو کو اپنی عزت بہت پیاری تھی۔ وہ اپنی بے عزتی کسی طور پر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔
''چلو پھر! ابھی ہمارے درمیان تیراکی کا مقابلہ ہو جاتا ہے'' کچھوے نے کہا۔
''ہاں چلو!'' پوکو نے کہا اور وہ دونوں ندی کے پہلے کنارے سے اتر گئے، کنارے پر پانی اتنا گہرا نہیں تھا۔ دونوں کے درمیان تیراکی کا مقابلہ شروع ہوا۔
کچھوا تیز تیز تیرنے لگا جبکہ پوکو ڈرتے ڈرتے اور آہستہ آہستہ تیر رہا تھا کیونکہ اسے تیرنا نہیں آتا تھا۔
کچھوا بہت آگے نکل گیا تھا اور پوکو بہت پیچھے تھا، جوں جوں وہ آگے بڑھ رہا تھا۔توں توں پانی زیادہ گہرا ہو رہا تھا۔آخر پوکو ندی کے درمیان میں پہنچا تو پانی اس کے سر سے اونچا ہو گیا۔
محاورتاً نہیں، حقیقتاً پوکو ڈوبنے لگا۔کچھوے نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو پوکو ڈبکیاں لے رہا تھا وہ واپس آیا اور پوکو کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر خشکی پر آ گیا۔پوکو گھبرایا ہوا تھا۔
''تمہیں خشکی پر تیز تیز دوڑنا آتا ہے تو مجھے پانی میں تیز تیز تیرنا آتا ہے'' کچھوے کے بتانے پر پوکو خرگوش بہت شرمندہ ہو گیا۔
مارے شرمندگی کے وہ سر اوپر نہیں اٹھا سکا کیونکہ کہتے ہیں کہ غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے۔

غزنوی عمر حیات

انوکھا جشن

"اس مرتبہ کچھ بہت انوکھا سا کریں گے جو پہلے کبھی نہ کیا ہو۔" سکندر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔



"اللہ

خیر! کیا انوکھا کرنے جا رہے ہو؟" نعمان نے چپس منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"یہی تو پوچھنے کے لیے آپ سب کو یہاں اکٹھا کیا ہے؟" سکندر بولا۔

"چلو سوچتے ہیں کچھ کہ کیا کیا جائے۔" عیسیٰ نے کہا۔

❀❀❀❀

وہ سب گاؤں کے ایک خوبصورت باغ میں درخت کے سائے میں بیٹھے چپس کھانے میں مصروف تھے ساتھ مشاورت بھی جاری تھی کہ جشن آزادی کو کیسے منایا جائے۔

"یہاں کون سی گول میز کانفرنس جاری ہے؟" سکندر نے کال کر کے فرقان کو بھی بلا لیا تھا، وہ ان کے پاس جا کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ہمارے پاس گول میز تو نہیں ہے البتہ کانفرنس ضرور ہو رہی ہے۔" نعمان جھٹ سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"چلو اچھا ہے آپ بھی آ گئے، سب مل کر مشورہ کر لیں گے۔" سکندر نے فرقان سے کہا۔

"کچھ پتہ بھی تو چلے کہ مشورہ کیا کرنا ہے۔"

"یہی کہ چودہ اگست قریب ہے تو اس مرتبہ جشن آزادی کیسے منایا جائے؟ بقول سکندر کہ اس مرتبہ سب سے انوکھا جشن آزادی منائیں گے۔" عیسیٰ نے کہا تو فرقان کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہوئے۔

"آزادی والی شرٹ اور ٹوپیاں تو لیں گے ناں؟" فرقان کے کچھ بولنے سے پہلے سعید بول پڑا۔

"جی وہ تو لازمی خریدنی ہیں۔" نعمان نے چپس کا ریپر ساتھ ہی پھینکتے ہوئے کہا۔

"سورج غروب ہونے کو ہے لیکن ابھی تک کچھ طے نہیں ہو پایا۔" سکندر نے افسردگی سے کہا۔

"یہی حال رہا تو چودہ اگست بھی آ کر گزر جائے گی اور ہم یوں ہی بیٹھے رہیں گے۔" عیسیٰ نے کہا۔

"چلو گھر چلتے ہیں کافی دیر ہوگئی ہے، پھر مشورہ کرلیں گے۔" یہ کہتے ہوئے فرقان کھڑا ہوا تو باقی سب بھی کھڑے ہو گئے اور اپنی اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھے گھروں کی جانب چل دیے۔

"یہ لو جی لال بتی کا نشان، اب اس کا کون انتظار کرے؟" سکندر نے بند سگنل کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"پہلے کبھی انتظار کیا ہے جواب کریں گے؟" نعمان نے کہا اور وہ تینوں فراٹے بھرتے ہوئے وہاں سے چلے گئے جبکہ فرقان سگنل کھلنے کا انتظار کرنے لگا۔

❁❁❁❁

"نعمان! تمھیں اس دن فرقان کا رویہ کچھ عجیب سا نہیں لگا؟" سکندر نے پوچھا۔

"ہمم! کافی عجیب لگا، پہلے تو جشن آزادی کے لیے بہت خوش ہوتا تھا اور اس مرتبہ تو بالکل خاموش ہے، نہ تو اس دن کسی بات کا جواب دیا اور نہ ہی بعد میں کوئی بات کی۔" نعمان بولا۔

"ہمیں اس سے بات تو کرنی چاہیے۔" عیسیٰ نے کہا۔

"چلو آج بریک میں کرتے ہیں۔"

❁❁❁❁

بریک ہو چکی تھی اور وہ سب گراؤنڈ میں بیٹھے تھے۔

"فرقان! تم نے کچھ نہیں بتایا جشن آزادی کے حوالے سے کہ کیا کرنا ہے؟" عیسیٰ نے بات کا آغاز کیا لیکن فرقان بدستور خاموش تھا۔

"خاموش کیوں ہو گئے، ہم دیکھ رہے ہیں کہ جب بھی ہم جشن آزادی کی بات کرتے ہیں تو تمھارا موڈ اچانک سے خراب ہو جاتا ہے؟" نعمان نے کہا۔

"معذرت! میں آپ لوگوں کے ساتھ اس مرتبہ جشن آزادی میں شامل نہیں ہوسکتا، یہ سب

غلط ہے۔"

"کیا؟ غلط کیسے ہے، میرے دوست! حب الوطنی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔" سکندر نے کہا۔

"حیرت ہے ہم یہ سب آزادی ملنے کی خوشی میں کرتے ہیں اور یہ کہہ رہا ہے غلط ہے؟"

نعمان نے کہا جبکہ فرقان کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔

"آزادی کی خوشی میں شکر ادا کیا جاتا ہے نہ کہ ایسے کام جو شریعت کے بھی خلاف ہوں اور ملکی قانون کے بھی، یوں ون ویلنگ کرنا، اونچی آواز سے موسیقی لگا کر لوگوں کو اذیت دینا یہ کیسی محبت ہے؟ کیا اتنی قربانیاں دے کر یہ ملک اس لیے حاصل کیا گیا تھا کہ دوسروں کو سمجھانا تو دور کی بات، ہم اپنی ذات پر بھی اس کے قانون لاگو نہ کر سکیں؟" فرقان نے بولنا شروع کیا۔

"میں ابھی تک آپ لوگوں کے ساتھ جشن آزادی مناتا آیا ہوں کہ لیکن اب مجھے احساس ہوا کہ صرف ایک دن جشن آزادی والے کپڑے پہن کر، موٹر سائیکلوں پر جھنڈے لگا کر وطن سے محبت کا حق نہیں ادا ہو سکتا جب تک کہ ہم ہر دن کو اپنے وطن کی تعمیر و ترقی میں نہ لگا دیں۔"

"تو ہم اور کر ہی کیا سکتے ہیں؟" نعمان نے پوچھا۔

"ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں، ہم ہی جیسے نوجوان تھے جو اس وطن کو حاصل کرنے کی کوشش میں قائداعظم کے دست و بازو بنے تھے، ہم باشعور بنیں، اپنے فرائض کو پہچانیں، ملک کی صفائی ستھرائی کا خیال رکھیں، ملک کے بنائے گئے قوانین پر عمل کریں۔"

"واقعی بات تو آپ کی ٹھیک ہے۔" سکندر بولا۔

"اور آپ لوگ چاہتے تھے ناں کہ جشن آزادی پر کچھ انوکھا کرنا ہے، تو ہم ضرور کریں گے لیکن ایک ایسا کام جو وطن کی تعمیر و ترقی میں اہم ہو، جو نہ صرف ہم خود کریں گے بلکہ پوری کلاس کو بھی اس میں شامل کریں گے۔"

"سچ؟ ایسا کون سا کام؟" نعمان نے پرجوش ہو کر کہا تو فرقان نے انہیں بتایا۔

❁❁❁❁

آج چودہ اگست تھی اور جہاں ان سب کا رخ جھنڈیاں، آزادی کے کپڑے خریدنے کے لیے دکانوں کی جانب ہوتا تھا آج وہ سب نرسری میں کھڑے تھے جہاں سے انہوں نے مختلف پودے، درخت خریدے اور شجر کاری مہم میں اپنا حصہ ڈال کر ایک انوکھا جشن آزادی منایا۔

❁❁❁❁



بقیہ نایاب میڈل

اُدھر فیصل ساری گفتگو ریکارڈ کر لینے کے بعد تلملا اُٹھا، اسکا جی چاہ رہا تھا کہ ابھی ان سب کا کچومر نکال دے...... مگر وہ اس وقت کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا...... چنانچہ اس کو صبر کا کڑوا گھونٹ پی جانا پڑا۔

❀❀❀❀

آفیسر نے جب پروفیسر کی تقریر سنی تو اسکے لبوں پر شیطانی مسکراہٹ کھیل رہی تھی، پھر وہ گویا ہوا:

”پروفیسر صاحب! آپ واقعی بڑے کام کے بندے ہیں...... اس لئے تو حکومت ہند آپ کی کارگردگی سے نہایت خوش ہے اور آپ کو میڈل دینے والی ہے، پروفیسر میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے لیے بڑی خوش قسمتی کا مقام ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمارے لیے بھی کچھ کام کریں، یوں انڈین حکومت اور اسٹیبلشمنٹ دونوں کے ہاں آپ کا وقار بلند ہوگا اور بہت جلد آپ کو میڈل دے دیا جائے گا۔

وہ کام یہ ہے کہ آپ نے اپنے عہدے اور آسامی کو کام میں لانا ہے، آپ بچوں کے پروفیسر تو ہیں ہی، بچوں کے ذریعے معلوم کروائیں کہ آتنگ وادیوں کا ٹھکانہ کہاں کہاں ہے؟ اور ان کا نیٹ ورک کس طرح کام کررہا ہے؟ اس کے علاوہ آتنگ وادیوں کے متعلق جتنی معلومات ہوسکیں آپ وہ ہمیں بہم پہنچائیں اور بس“

افسر نے اپنی بات سے فارغ ہوکر پروفیسر کے چہرے کو جھانکا۔

”ہونہہ!!! بات تو آپ کی سوآنے درست ہے، اس کام کے لیے مجھ سے زیادہ موزوں کوئی شخص نہیں ملے گا، بس آپ خوش ہوجائیں کہ پروفیسر عظیم آپ کی خواہشات کی تکمیل کے لیے ہر قدم اٹھانے کا پابند ہوگیا۔“

پروفیسر نے اپنی طبعی خباثت کو بروئے کار لاتے ہوئے انتہائی بے شرمی سے کہا اور اس پر اجلاس ختم ہوگیا اور سارے نفوس اٹھ کھڑے ہوئے۔ پروفیسر جلدی سے غار سے باہر نکلا اور واپس چلا گیا اور فوجی آفیسر اپنے حواریوں کے ساتھ چوٹی پر موجود کیمپ کی طرف چل دیے۔

فیصل نے اپنے آپ کو جھاڑیوں سے نکالا اور نہایت متانت سے کمانڈر صاحب کے پاس چل پڑا انہیں جا کر ساری صورتحال بتائی اور یہ خوشخبری سنائی۔

کمانڈر صاحب نے ساری گفتگو کرنے کے بعد فیصل کو حکم دیا کہ ''دوبارہ جاؤ اور پروفیسر پر نظر رکھو!''

''ٹھیک ہے کمانڈر صاحب!'' فیصل نے مختصر سا جواب دیا اور چل پڑا۔

کمانڈر صاحب خود دیگر ساتھیوں کو ساتھ لے کر جن گھروں کے اندر ان کا قیام تھا گئے اور ان سب کو مزید احتیاط برتنے کا کہا۔ بچوں کو بلا کر نصیحت کی۔ پروفیسر کی جعلسازیوں سے پردہ اٹھایا اور اس کے نظریات وخیالات سے بچنے کی تلقین کی اور احتیاطاً خفیہ ہائیڈوں کو کچھ دنوں کے لیے چھوڑ دیا۔

فیصل جیسے ہی پروفیسر کے پاس پہنچا تو وہ نماز عصر کے لیے مسجد جا رہے تھے۔ فیصل بھی ان کے پیچھے مسجد میں داخل ہوگیا۔ نماز سے فراغت کے بعد باہر نکلے تو پروفیسر کا رخ دوبارہ پہاڑ کی طرف ہی تھا۔ وہ جلدی جلدی قدم اٹھائے ہوئے جا رہا تھا گویا کہ سارا کام آج ہی کر چھوڑے گا۔

فیصل نے دوبارہ مناسب فاصلہ رکھ کر پروفیسر کا تعاقب شروع کیا۔ دونوں چلتے رہے یہاں تک کہ جھاڑیوں کے درمیان ایک دوسرا مصنوعی غار نظر آیا، جس میں پروفیسر احتیاط سے داخل ہوگیا۔

فیصل نے غار کے دہانے ایک درخت کی اُوٹ لی اور جائزہ لینے لگا۔ جب اس نے غور سے معائنہ کیا پروفیسر پتھر کی سلیٹوں پر کچھ نقشے بنا رہا تھا۔ جب فیصل نے مزید غور سے دیکھا تو اس پر آشکار ہوا کہ پروفیسر مستقبل میں کام کے لیے منصوبے باندھ رہا تھا اور ہاتھ سے پتھر پر ماڈل بنا رہا تھا۔ کچھ دیر تو اسی عالم دیوانگی میں گزر گئے، پروفیسر کچھ سوچتا اور پتھر کی سلیٹوں پر ماڈل بناتا اور پھر انہیں توڑ دیتا۔ جب کافی وقت اسی میں بیت گیا اور چہار طرف دھوپ پھیلی پڑ گئی اور قریب تھا کہ سورج غروب ہوجائے۔ پروفیسر جلدی سے باہر نکل آیا اور سیدھا مسجد کی طرف روانہ ہوگیا۔

فیصل کو بھی اپنی نماز کی فکر دامن گیر تھی، چنانچہ اس غار میں داخل ہو کر ٹوٹے ہوئے پتھر کے ٹکڑے لفافے میں جمع کیے اور انہیں احتیاط سے اپنے پاس محفوظ کر لیا اور جلدی سے جا کر نماز مغرب اداء کی، بعدازیں کمانڈر سے جا کر ملاقات کی اور صورت واقعہ بیان کی اور پتھر کے ٹکڑے ان کے حوالے کیے۔

کمانڈر صاحب نے تمام حالات وکیفیات معلوم کرنے کے بعد تھوڑی دیر کے لیے سر جھکا لیا۔ اس کے بعد اپنے نیٹ ورک کے انجینئر خورشید عباسی کو پتھر کے ٹکڑوں اور فیصل کی چشم دید معلومات کی مدد سے دستی کاغذ پر ماڈل تیار

کرنے کا حکم دیا۔ جب تمام نقشے کاغذ پر اتار لیے گئے تو کمانڈر صاحب نے کچھ ٹکڑے اور نقشے گفٹ کی صورت پیک کر کے اپنے خاص طریقے سے پروفیسر تک پہنچا دئے اور خود دوسرے امور میں غور کرنے لگے گئے۔

پروفیسر نے جیسے ہی یہ گفٹ وصول کیا تھا اس وقت سے بری طرح ڈسٹرپ تھا، انہیں اتنا تو معلوم ہو چکا تھا کہ اس کے پیچھے کس کا ہاتھ ہوسکتا ہے؟ مگر یہ بات ابھی تک ان کے حاشیہ خیال سے بھی دور تھی کہ سب افشاء کس طرح ہوا؟

یہی سوچتے سوچتے نصف دن کے قریب گزر گیا۔ مگر انہیں ابھی تک کامیابی نہ مل سکی، ساتھ ہی ان کی چھٹی کا پروگرام غارت ہو گیا، اب پروفیسر نے اپنے من میں ہی کہا۔

''چلو آئندہ کا پروگرام باطل اکارت گیا ہی..... مگر کمانڈر کے نیٹ ورک کے ساتھ ایسا کھیل کھیلوں گا کہ وہ حیران رہ جائیں گے اور انہیں ناقابل تلافی نقصان پہنچے۔''

اس کے لیے لازمی تھا کہ انڈین آرمی کی خدمات کا سہارا لیا جاتا۔

سو پروفیسر نے جھٹ پٹ کیمپ میں موجود آرمی کو خفیہ پیغام پہنچایا اور اسکے ساتھ ہی حرکت میں آیا۔

مگر اسے کیا معلوم کہ تقدیر اس کے سر پر منڈلا رہی ہے۔ نیز رسی کا ڈھیلا چھوڑ دیا جانا بھی حد تک ہوا کرتا ہے۔

ظلم اور بدعنوانی جب حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو خدائے قہار کا کوڑا برس پڑتا ہے اور تمام استدراجی قوتیں اکارت ہو جایا کرتیں ہیں۔

بہر حال! پروفیسر اپنے انجام سے بے خبر نکل کھڑا ہوا۔ ابھی وہ گھر سے نکلا ہی تھا کہ چند نوجوان اسے آملے۔ سلام دعاء کے بعد ادھر اُدھر کی ہانکنے لگے۔ پروفیسر جلدی میں تھا اس لیے اُسے نوجوانوں کی باتیں زہر لگنے لگیں اور وہ انہیں اُکھڑے مزاج میں جواب دے رہا تھا۔ دل تو اس کا چاہ رہا تھا کہ کھری کھری سنا کر نکل جائے، مگر وہ اپنے گمان کے مطابق رہی سہی ساکھ برباد کرنا نہیں چاہتا تھا۔ سو اُسے اپنے اُوپر ضبط کرنا پڑا، مگر لاکھ کوشش کے باوجود بھی کلام میں اکھڑپن صاف جھلک رہا تھا۔ اتنے میں ایک نوجوان نے کہا۔

''شاید آج پروفیسر صاحب کی طبعیت ناساز ہے؟'' پروفیسر نے فوراً اثبات میں سر ہلایا اور دل میں خوش ہوا کہ اب جان چھوٹ جائے گی مگر آنے والے کہاں نرمی کا پیغام لے کر آئے تھے..... فوراً ہی دوسرا بولا۔

''پھر تو پروفیسر صاحب کو پہاڑ کی سیر کرانے لے چلیں تا کہ تازہ ہوا لے کر (ہمیشہ ہمیشہ کے

لیے) پرسکون ہو جائیں اور طبعیت شادمان ہو جائے۔"

اب تو پروفیسر کا رنگ فق ہو گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ یہ بندے بھی کمانڈر ہی کے ہیں، لیکن اب وہ کیا کر سکتا تھا، بلکہ اب تو مصیبت دُہری ہو چکی تھی، اگر وہ اپنے خیال کا ذرہ بھی اظہار کرتا تو مصیبت اور ان کی ہاں میں ہاں ملاتا تو الگ مصیبت۔بس وہ اس دوطرفہ مصیبت سے جان چھڑانے کی تدبیر سوچنے لگا مگر اس کی کوئی تدبیر بھی کام نہ آئی۔بلآخر نوجوان اس کو مجبوراً پہاڑی کی طرف لے چلے۔

ادھر کمانڈر مولانا عبدالقہار صاحب پروفیسر کو تحفہ دیکر ایسے بے خبر نہیں بیٹھ گئے بلکہ مسلسل حرکت میں رہے اور پَل پَل کی خبر انہیں مل رہی تھی، بس جیسے ہی کمانڈر صاحب کے گمان کے عین مطابق آرمی کو پیغام بھیجا تو مجاہدین فوراً ہی غار پر قابض ہو گئے اور مناسب جگہ پوزیشن لے کر بیٹھ گئے۔آرمی آفیسر پروفیسر کا پیغام ملتے ہی غار کی طرف چل پڑا۔غار میں پہنچ کر جیسے ہی اندر داخل ہوا تو ایک گولی آئی اور اسکا سینہ چیرتے ہوئی نکل گئی۔آفیسر دھڑام سے نیچے کی طرف آرہا۔فوجیوں نے اپنے افسر کو مرتے دیکھا تو فوراً پیچھے ہٹے اور فائرنگ کرنے لگے۔

اُدھر پروفیسر اور نوجوانوں نے فائرنگ کی آواز سنی تو نوجوانوں نے بھاگ کر اوٹ لی اور پروفیسر کو چھپنے کا کہا۔

پروفیسر تو پہلے ہی نکلنے کی تلاش میں تھا۔ فوراً مجاہدین کی مخالف جانب کو دوڑ پڑا۔پروفیسر کو یوں دیوانہ وار بھاگتے دوڑتے دیکھ کر مجاہدین کی ہنسی چھوٹ گئی۔فوجیوں نے جب پروفیسر کو یوں خالی ہاتھ دوڑتے دیکھا تو فوراً اس کو گرفتار کر کے اپنی حراست میں لے لیا۔پروفیسر نہ سمجھنے والے انداز میں کبھی فوجیوں کو دیکھتا اور کبھی ہتھکڑیوں کی طرف اور پھر لمحے میں ہی انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔

اب انہوں نے اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ ایک فوجی نے نہایت زور سے منہ پر تھپڑ رسید کیا اور ساتھ ہی کہا۔

"پروفیسر صاحب! زیادہ چالاک بننے کی ضرورت نہیں آپ نے جس طرح سے غداری کی ہے اور آفیسر کو دھوکے سے مروایا ہے اس کا انجام بھگتنا پڑے گا۔"

تھپڑ کھاتے ہی پروفیسر صاحب کی کلاہ شریفہ نیچے آپڑی اور کرب سے ان کے دو آنسو ٹپک کر رخساروں پر آپڑے۔

اور وہ حکومت ہند سے ملنے والے نایاب میڈل کا بے چینی سے انتظار کرنے لگے۔

❁❁❁❁

آزادی

مدیحہ صدیقی



''بابا! کتنے پیارے پر ہیں ان کے''
ابراہیم نے پنجرے میں طوطوں کے رنگ برنگے پروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہرے، نیلے اور گلابی، جیسے باغ میں پھول ہوتے ہیں۔''
اس نے ٹیں ٹیں کرتے طوطون کو شوق سے دیکھا۔

''اللہ جی کی دنیا بہت پیاری ہے ابراہیم! ہمیں اپنے رب کی سب نعمتوں کا شکرادا کرتے رہنا چاہیے۔'' بابا نے نو سالہ ابراہیم کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں انہیں باتیں کرنا سکھاؤں گا، روزان کی پسند کی چیزیں کھلاؤں گا تو یہ بہت خوش ہونگے......مزے سے پنجرے میں پھدکتے پھریں گے۔'' ابراہیم نے اپنے پلانز بتائے۔

بابا ''ہوں، ہاں'' کرتے آج کا اخبار پڑھنے میں مصروف ہوگئے۔

ابراہیم بھی جب طوطوں سے کھیل چکا تو اپنے سکول کا کام نکال کر بیٹھ گیا۔ ابراہیم گرچہ بہت چھوٹا تھا لیکن اسے قدرتی نظاروں اور پرندوں کو دیکھنے کا بہت شوق تھا اور اب جبکہ طوطے اس کے پالتو پرندوں کے طور پر گھر آگئے تھے تو اس کا کافی وقت ان کے ساتھ گزرتا۔

وہ گھنٹوں ان کی خدمت کرتا اوران کا خیال

رکھتا۔صاف ستھرا پنجرہ، دانا، پانی ہر وقت پنجرے میں رہتا۔ساتھ ہی ساتھ طوطوں سے باتیں کرنا اسے بہت پسند تھا۔گویا طوطوں کی اردو کی کلاس بھی اکثر چلتی۔

گھر کے سب لوگ ہی ابراہیم کی طوطوں سے بات چیت سن کر مسکرا دیتے لیکن رفتہ رفتہ سب نے ہی محسوس کیا کہ ابراہیم کی بات چیت بہت کم ہوگئی ہے اور وہ اکثر اداس بھی رہنے لگا ہے۔

ایک روز جب ابراہیم آدھا گھنٹہ پنجرے کے سامنے بیٹھا رہا اور اس نے ایک لفظ بھی نہ کہا تو امی سے رہا نہ گیا۔

''ارے ابراہیم! آپ ان طوطوں کو اردو نہیں سکھا رہے اب آپ ان سے باتیں بھی نہیں کرتے؟'' امی نے اس سے پوچھ ہی لیا۔

''مما! یہ طوطے اتنے اداس رہتے ہیں، اب تو اکثر چپ ہو کر ایک ہی جگہ بیٹھے رہتے ہیں۔مزے سے کھاتے بھی نہیں اور آواز بھی نہیں نکالتے۔'' ابراہیم کی امی کو اس کی اداسی کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔

''اچھا! تو یہ بات ہے جو آپ پریشان ہیں۔''

''ہاں نا مما! میں ان کا اتنا خیال رکھتا ہوں لیکن یہ پھر بھی میرے دوست نہیں بنتے۔'' ابراہیم نے وضاحت کی۔

''ابراہیم اچھا ہوا کہ آپ نے ان کا دکھ محسوس کیا، اب آپ میری بات زیادہ اچھی طرح سمجھیں گے۔'' امی نے کہا۔ابھی امی اور کچھ کہنا ہی چاہتی تھیں کہ بھائی جان گھر میں داخل ہوئے۔

''لو بھئی ابراہیم! تمہارے سکول کے فنکشن کے لیے جھنڈا، بیج، کیپ اور ڈیکوریشن لائٹس۔'' بھائی جان نے یوم آزادی کی چیزیں ابراہیم کو تھماتے ہوئے کہا۔

''اور اپنا ترانہ یاد کر لیا؟''

''آزادی کے ہم متوالے......'' ابراہیم نے فوراً ترانہ پڑھنا شروع کر دیا۔بھائی جان نے مسکراتے ہوئے اپنے کمرے کی راہ لی اور ابراہیم نے یوم آزادی کے فنکشن کے لیے سب چیزیں احتیاط سے بیگ میں رکھ لیں۔

کل چودہ اگست کی خوشی سنبھالے نہ سنبھل رہی تھی۔گویا کہ عید ہی آ گئی ہو۔ابراہیم نے ترانے کی تیاری بھی خوب اچھی سے کر لی تھی۔اگلے دن صبح صبح تیار ہو کر جھنڈے کے رنگ کے کپڑے پہن کر اسکول جا پہنچے۔

خوب مزا آیا۔یوم آزادی کی تقریریں سنیں۔لپک لپک کر ترانے گائے اور آخر میں مٹھائی بھی ملی۔گھر پہنچے تو بے حد تھک چکے تھے لیکن پھر بھی امی کو زور شور سے پوری روداد سنائی۔جب کھانا کھا کر سونے کے لیے جانے لگے تو اچانک طوطوں کا خیال آیا۔

''ارے مما! میں نے تو طوطوں کو کچھ کھلایا بھی نہیں، پانی بھی نہیں رکھا۔'' ابراہیم دوڑ کر پنجرے کے سامنے پہنچ گیا۔

''ابراہیم! میں نے ان کو سب دے دیا۔ پانی بھی تازہ رکھ دیا تھا صبح۔'' امی نے باورچی خانے سے آواز لگائی۔

''اوہ!!! اچھا میں تو ڈر ہی گیا۔ رات میں بھی بھول گیا۔'' ابراہیم نے بھی ندامت کا اظہار کیا۔

''ارے طوطو! سوری آج میں ۱۴ اگست کی وجہ سے ذرا مصروف ہوگیا تھا۔'' ابراہیم نے طوطوں سے بھی معذرت کی۔

''مما! یہ طوطے تو بیٹھے ہی رہتے ہیں، کھیلتے ہیں نہیں، آوازیں بھی اتنی کم نکالتے ہیں۔ کیا یہ مجھ سے ناراض ہیں؟'' ابراہیم نے امی کی توجہ محسوس کی تو کہا۔

''ابراہیم! دیکھو ان کے پر کتنے اچھے ہیں۔ خوبصورت اور رنگین۔ یہ پر اللہ تعالیٰ نے اڑنے کے لیے بنائے ہیں۔ لیکن یہ کئی دنوں سے اتنے سے پنجرے میں بند ہیں۔ درختوں پر پھدکنا، پھلوں کو چکھنا، ہوا میں پر پھلا کر اڑنا، کتنا اچھا لگتا ہوگا انہیں، یاد آتا ہوگا۔'' امی نے سمجھایا۔

''اچھا! آج کیا تاریخ ہے؟'' امی نے پوچھا۔

''مما! ۱۴ اگست ہے۔'' ابراہیم بولا۔

''تو اس میں کیا خاص بات ہے؟'' امی نے پوچھا۔

''مما! ہم اس میں آزاد ہوئے تھے، آزادی میں مسلمانوں نے سانس لی تھی، غلامی سے جان چھوٹی تھی۔'' ابراہیم نے جوش میں آج کی تقریروں کے اہم نکات بتائے۔

''اسی لیے آج آپ بہت خوش ہیں کیونکہ ہمیں اللہ نے الگ وطن دیا اور ہم آزاد فضاؤں میں سانس لیتے ہیں؟ ہے ناں؟'' امی نے ابراہیم سے پوچھا۔

''یہ طوطے بھی جب خوش ہوں گے جب ان کی ۱۴ اگست آئے گی۔ اس پنجرے میں یہ ایسے ہی ہیں کہ گویا آپ نے ان کے پر کاٹ دیے ہوں۔ اچھا بتاؤ ان کی ۱۴ اگست کب آئے گی؟'' امی نے سمجھاتے ہوئے ابراہیم سے پوچھا۔

''آج'' کچھ لمحے سوچنے کے بعد ابراہیم نے آگے بڑھ کر ان کا پنجرہ کھول دیا اور گویا طوطوں کو نئی زندگی مل گئی۔





سلطان ٹیپو شہید رحمہ اللہ

عبدالحفیظ امیرپوری

"کہاں ہیں میرے ساتھی؟" سردار خان نے گھبرا کر پوچھا۔

"وہ سب کے سب لقمہ اجل بن گئے" پیشوائے پونا نے بڑی رعونت کے ساتھ کہا۔

"انہیں ہماری شمشیر قہر و جلال نے کھالیا۔"

"موت تو ہر ذی روح کا مقدر ہے مادھوراؤ!"

سردار خان نے پیشوائے پونا کو اس طرح مخاطب کیا جیسے وہ اس کا ہم مرتبہ انسان ہو۔

"وہ بھی چلے گئے، تھوڑی دیر بعد میں بھی چلا جاؤں گا اور پھر ایک دن تو بھی چلا جائے گا۔ اس دارفانی کا یہی قانون ہے۔ اپنے چند روزہ بسیرے پر زیادہ غرور نہ کر۔ تُو جس شاخ پر بیٹھ کر اپنی فتح کے نغمے گا رہا ہے، وہ عنقریب کاٹ دی جائے گی اور برق اجل تیرے نشیمن کو اس طرح پھونک ڈالے گی کہ اس کی راکھ تک باقی نہیں رہے گی۔

اور جس زمین پر تُو اپنا تخت سجا کر خدائی دعوے کر رہا ہے، وہ بہت جلد تجھے تیرے جاہ و جلال سمیت نگل جائے گی اور پھر تیرا کوئی نام

ونشان بتانے والا بھی نہیں ہوگا کہ تُو کہاں سے آیا تھا اور کدھر چلا گیا۔"

سردار خان کے لہجے میں پیشوائے پونا سے زیادہ جلال تھا۔

مادھو راؤ ایک قیدی کی یہ گرمیٔ گفتار برداشت نہ کرسکا۔

"اگر تجھے اپنی زندگی عزیز ہے تو بہت اونچی آواز میں میری عظمت کے ترانے گا اور حیدر علی کی مذمت کر!"

"معاذ اللہ!!! یہ کیسے ممکن ہے؟" ماگڑی کا حاکم، سردار خان مسکرانے لگا۔

"نمک خوار ہر حالت میں نمک خوار ہی رہتا ہے اور مجھے اس اعزاز پر فخر ہے کہ میں نواب حیدر علی خان بہادر کا نمک خوار ہوں اور اسی حال میں دنیا سے رخصت ہو جانا چاہتا ہوں۔

مجھے پہچاننے میں تجھ سے بڑی بھول ہوئی مادھو راؤ! میں وہ نہیں جو ہواؤں کے رخ کے ساتھ بدل جاتے ہیں۔ میں تو بس ایک کا ہو چکا۔ اب کوئی دوسرا میرے دل و دماغ پر حکومت نہیں کرسکتا۔ میں سو بار تیری ذات اور تیرے اقتدار کی نفی کرتا ہوں۔"

والیٔ شاہ نور، نواب عبدالحکیم خان، راجہ چلتندرک اور دوسرے تمام مرہٹہ سردار ایک زخمی قیدی کی اس جرات و بے باکی پر حیران رہ گئے۔ انہوں نے آج تک ایسا کوئی جواں مرد نہیں دیکھا تھا جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کرسکے۔

سردار خان کے اس طرزِ عمل نے پیشوائے پونا کو سخت احساس کمتری میں مبتلا کر دیا تھا۔ نتیجتاً مادھو راؤ بہیمانہ تشدد پر اُتر آیا تھا۔

سردار خان کے مجروح جسم کو کئی بار تازیانوں کا نشانہ بنایا اور اس سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ نواب حیدر علی کی شان میں گستاخانہ کلمات استعمال کرے۔ لیکن سردار خان کے ہونٹ پتھر کے ہو کر رہ گئے تھے۔ وہ چُپ چاپ اذیتیں برداشت کرتا رہا مگر ایک بار بھی اپنے آقا کے خلاف لب کشائی نہیں کی۔ یہاں تک کہ پیشوائے پونا نے زِچ ہو کر سردار خان کے قتل کا حکم جاری کر دیا۔

جب سردار خان کو مقتل میں لے جایا گیا تو اس نے شہادت سے پہلے با آواز بلند کہا۔

"نواب بہادر! آپ کے اس غلام نے اپنا عہد پورا کر دیا۔ اہل میسور کو نہیں معلوم کہ سردار خان پر کیا گزری مگر دیکھنے والا خوب دیکھ رہا ہے۔"

اس کے بعد سردار خان نے اپنے رب کی کبریائی بیان کی، رسالت پر گواہی دی اور پھر اس طرح موت کو گلے لگا لیا جیسے کوئی ہجر و فراق کا مارا

اپنے محبوب سے ہم آغوش ہوجاتا ہے۔

اس دوران نواب حیدر علی کے بھیجے ہوئے سپاہی اور پنڈارے، ماگڑی کے جنگل میں پہنچ چکے تھے اور مادھوراؤ کی فوجوں پر مسلسل شب خون مار رہے تھے۔

مگر اس سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہورہا تھا۔ پیشوائے پونا کی فوج کم وبیش ڈھائی لاکھ سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ دو چار ہزار سپاہیوں کے مرجانے سے اس ٹڈی دل لشکر کی طاقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔

نواب حیدر علی نے ماگڑی کے قلعے پر مادھوراؤ کے قبضے کی خبر بڑی اذیت کے ساتھ سنی۔ حالات لحظہ بہ لحظہ بگڑتے جارہے تھے۔ مگر والئی میسور نے ابھی تک ہمت نہیں ہاری تھی۔ وہ مستقل مزاجی کے ساتھ پیشوائے پونا سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کی منصوبہ بندی کررہا تھا۔

اپنی مختصر سی فوج کے باوجود ماگڑی کا حاکم سردار خان، مادھوراؤ کے لیے انتہائی سخت جان حریف ثابت ہوا تھا۔ اس سے نجات پاتے ہی پیشوائے پونا تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھا۔ پھر اس نے دیکھتے ہی دیکھتے بالاپور، کڑپہ، کولار، ملباگل اور گرم کنڈہ پر قبضہ کرلیا۔

مادھوراؤ کی مسلسل فتوحات نے ریاست میسور کی سالمیت پر اس قدر برا اثر ڈالا کہ تمام پالیگار اور ہندو راجہ جو نواب حیدر کے زیر اثر تھے، سب کے سب منحرف ہوگئے۔

گردش کا عجیب وقت تھا۔ والئی میسور کے تمام حلیفوں نے اس طرح آنکھیں پھیر لی تھیں کہ جیسے ان کے اور نواب حیدر علی کے درمیان کبھی کوئی رشتہ ہی نہ رہا۔ بعض ہندو راجاؤں نے تو یہاں تک کہہ دیا۔

"نواب بہادر! ڈوبتی ہوئی کشتی میں کوئی سوار نہیں ہوتا۔"

''کیا میں ڈوبتے ہوئی کشتی ہوں؟'' نواب حیدر علی نے اپنے سیاسی حلیفوں سے سوال کیا۔

''یقیناً'' والئی میسور کو ان ہندو راجاؤں نے بڑے بے رحمانہ لہجے میں جواب دیا۔

"خوش گمانیوں کے طلسم سے باہر نکل کر دیکھئے۔ اب اس علاقے کا حکمراں پیشوائے پونا کے سوا کوئی دوسرا نہیں۔"

والئی میسور ان ہندو راجاؤں کے طرز عمل کی کیا شکایت کرتا جو مذہبی بنیادوں پر مادھو راؤ سے ہمدردی رکھتے تھے مگر حالات جبر میں حیدر علی کی ہم نوائی کرتے تھے۔ خود اس کے سیاسی مشیروں اور وزیروں کا یہ حال تھا کہ شدت خوف سے ان کی آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں اور وہ لڑکھڑائی زبانوں سے حیدر علی کو صلح کے مشورے دے رہے تھے۔

پوری ریاست کی فضا میں عجیب سا شور تھا۔ پیشوا مادھوراؤ کی پیش قدمی کی خبریں سن کر اعلیٰ نسل کے ہندو اپنے اپنے گھروں سے نکل کر مندروں میں جمع ہو رہے تھے اور پوجا کے بہانے اپنی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

"حیدر علی کی حکومت بس چار دن کی مہمان ہے۔ دیوتاؤں کی کرپا سے رام راج آ کے رہے گا" نیچی ذات کے ہندو ان خبروں سے بہت پریشان تھے۔ وہ اپنے گھروں میں چھپ کر حیدر کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہے تھے۔

"بھگوان ہمارے اس دیوتا کو بچالے کہ یہی دیوتا سچا ہے اور ہمارے دکھوں میں کام آنے والا ہے۔"

نواب حیدر علی اپنوں اور بیگانوں، سب کے جزبات سے باخبر تھا۔ پھر بھی اسے نہ کسی سے شکایت تھی اور نہ کسی سے کوئی امید۔

وہ صرف اپنے خدا کو پکار رہا تھا اور ایسے سنگین وقت میں بھی دفاع کی جو تدبیریں ممکن تھیں، انہیں بروئے کار لا رہا تھا۔

❁❁❁❁

والئی میسور کے جاسوسوں نے خبر دی کہ "مذکورہ علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد پیشوائے پونا، سرنگا پٹم کی طرف بڑھ رہا ہے۔" یہ بڑی پریشان کن اطلاع تھی۔ حیدر علی خوب جانتا تھا کہ سرنگا پٹم پر دشمن کے غلبے کے ساتھ اس کا اقتدار ختم ہو جائے گا اور اگر وہ کسی طرح بچ بھی گیا تو اس کی حیثیت ایک خانہ بدوش حکمراں سے زیادہ نہیں ہوگی۔ سرنگا پٹم، حیدر علی کی حیات اور موت کا مسئلہ تھا۔ اس لئے والئی میسور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر بنگلور سے دارالحکومت روانہ ہوگیا۔

سرنگا پٹم پہنچ کر حیدر علی نے دیکھا کہ یہاں کی تو فضا ہی بدلی ہوئی تھی۔ مقامی ہندوؤں کے ہر گھر میں ہنگامہ جشن برپا تھا۔

سری رنگ ناتھ کے مندر میں بھجن گائے جا رہے تھے اور نوجوان ہندو والہانہ رقص کر رہے تھے۔ کچھ دن پہلے راجہ کرشنا کے سر میں ایک پھوڑا نکلا تھا، جس کی تکلیف سے وہ رات رات بھر چیختا رہتا تھا۔ مگر جب سے اس نے پیشوائے مادھوراؤ کے حملے کی خبر سنی تھی، وہ اپنی ساری تکلیف بھول کر راج محل سے نکل آیا تھا اور اس کے شب و روز سری رنگ ناتھ کے مندر میں گزر رہے تھے۔

راجہ کرشنا کے ایماء پر سرنگا پٹم کے تمام سادھو، پنڈت، جوگی اور برہمن مندر میں جمع تھے اور پیشوائے پونا کی فتح کے لیے پراتھنا کی جا رہی تھی۔ اس موقع پر راجہ کرشنا نے یہ منت بھی مانی تھی کہ اگر اس جنگ میں حیدر علی کو شکست ہوگئی اور پیشوا مادھوراؤ، سرنگا پٹم پر قابض ہوگیا تو وہ پتھر

کے سب سے بڑے بت کو سر سے پاؤں تک سونے میں ڈھال دے گا۔ اس کے علاوہ راجہ کرشنا کے اشارے پر ہزاروں ہندو نوجوان گلی کوچوں میں نعرہ زنی کرتے پھر رہے تھے۔

"سرنگا پٹم ہمارا ہے اور ہمارا ہی رہے گا۔ ظالموں کے دن پورے ہو چکے۔ پیشوا آئے گا اور ہمیں غاصبوں سے نجات دلائے گا۔"

ان زہر آلود مذہبی نعروں کا یہ اثر ہوا کہ وہ ہندو بھی راجہ کرشنا کے ساتھ ہو گئے، جنہیں ساری زندگی نواب حیدر علی نے نوازا تھا۔

تینوں رانیاں ہاتھیوں پر بیٹھ کر ہندوؤں کے جلوس کی قیادت کر رہی تھی اور راجہ کرشنا کے خریدے ہوئے نوجوان گلے پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے تھے۔

"دیوتاؤں کے پجاریو! اپنے اپنے گھروں سے نکلو اور حیدر علی کی قیادت سے انکار کر دو! تمہیں دھرتی ماتا بھی پکار رہی ہے اور راج ماتا بھی۔ وہ ہندو نہیں ہے جو آگے بڑھ کر مادھو راؤ کا استقبال نہ کرے۔ پیشوا عظیم ہے۔ پیشوا ہمارا نجات دہندہ ہے۔"

بیرونی خطرات کیا کم تھے کہ اچانک سرنگا پٹم داخلی انتشار کی لپیٹ میں آ گیا۔ اس موقع پر والی میسور کے تمام سیاسی مشیر اور فوجی افسر بدحواس نظر آ رہے تھے۔

مایوسیوں کا ایسا اندھیرا تھا کہ کسی کو راہ نجات نظر نہیں آ رہی تھی مگر حیدر علی کے چہرے پر جذبات کا وہی آتش فشاں دہک رہا تھا۔

"تمہاری آنکھوں کی پتلیاں کیوں کانپ رہی ہیں؟ اور موت سے پہلے تم عالم نزاع میں کیوں گرفتار ہو؟" والئی میسور اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوا۔

"موت تو اپنے وقت پر ہی آئے گی۔"

"موت سے نہیں، اپنی عورتوں کی بے آبروئی سے ڈرتے ہیں۔" امرائے سلطنت نے شکستہ لہجے میں کہا۔

"معصوم بچوں اور ناتواں بوڑھوں کو پہنچائی جانے والی اذیتوں کے تصور سے ڈرتے ہیں۔ مادھو راؤ بہت منتقم اور تنگ نظر انسان ہے۔"

"ہمارا دامن بھی فتوحات سے بھرا ہوا ہے۔ مگر ہم نے کامرانی کے نشے میں بے خود ہو کر کبھی کسی مفتوح عورت کی بے آبروئی نہیں کی، کسی بچے کے حلق پر خنجر نہیں چلایا اور کسی بوڑھے کو جسمانی تکلیف نہیں دی۔"

حیدر علی کا لہجہ جذباتی ہو گیا تھا۔

(باقی آئندہ)



اصل پہچان

عمارہ فہیم



"بابا! جلدی چلیں پیپر ہے لیٹ ہوگئی تو میم کلاس میں آدھے گھنٹے بعد جانے دیں گی"

رابعہ نے بار بار گھڑی دیکھتے اپنے ابو کو جلدی چلنے کے لیے کہا۔

"بیٹا! آگے ٹریفک بند ہے کیسے بڑھ سکتے ہیں آپ پریشان مت ہو ہم وقت پر پہنچ جائیں گے ان شاءاللہ"

حامد صاحب نے بیٹی کو تسلی دی۔

"ایک تو یہ ٹریفک بھی ہر وقت جام ہی رہتا ہے پتا نہیں کب سڑکیں ٹھیک ہوں گی اور کب جان سکون میں آئے گی"

رابعہ غصہ میں پورا راستہ بڑبڑاتی رہی اور بالآخر امتحان سے کچھ وقت پہلے وہ اسکول کے گیٹ پر تھی۔

❁❁❁❁

"آرام سے بیٹا! آگے نالہ ہے سنبھال کر آؤ!" گلی کے ساتھ بہتے بڑے نالے کو روز پار کرنا کالونی کے لوگوں کے لیے مشکل تھا۔ نعیم صاحب نے نالہ پار کرتے پوتے کو دیکھ کر زور سے آواز لگائی۔

"جی دادا! آگیا مگر میں تھک جاتا ہوں اسکول سے نالے پھلانگ کر آتے" حامد

نے منہ بنا کر دادا سے شکایت کی۔

''اوہو! ہمارا پوتا تھک جاتا ہے تو چلو کل سے ہم تمھیں اپنی سائیکل پر اسکول سے لایا کریں گے'' نعیم صاحب نے مسکراتے ہوئے حامد کو خوشخبری سنائی۔

''سچ میں آپ نے سائیکل لی ہے اب تو بڑا مزہ آئے گا میں سائیکل پر خوب گھوموں گا'' حامد نے خوشی سے گویا چلاتے ہوئے نعرہ لگایا۔

''چلو آؤ !اسی بات پر تمھیں ڈھابے کی چنا دال کھلائیں لیکن پہلے اپنی اماں اور دادی کو بتا دو!''

حامد کے واپس آتے ہی دادا جی نے اسے سائیکل پر بٹھایا اور ہوٹل کی طرف چل پڑے۔

''السلام علیکم عظیم بھائی! کیسے مزاج ہیں؟''

عظیم بھائی کا چائے کا چھوٹا سا ہوٹل تھا جہاں دال سبزی اور صبح کا ناشتہ بھی ملتا تھا۔

''ہم ٹھیک ہے تم سناؤ!'' عظیم بھائی نے ایک طرف چائے کی پتیلی میں چائے بناتے اور ساتھ رکھی کیتلی میں چائے ڈالتے چھوٹے کو آواز لگا کر گاہکوں کو چائے پانی پیش کرنے کا کہا۔

اور دوسری طرف نعیم صاحب کی خیر خیریت بھی دریافت کرتے ہوئے ان کا آڈر لیا اور ایک بار پھر چھوٹے کو آواز لگاتے ہوئے اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

پیٹ پوجا کر کے حامد ایک بار پھر دادا کی سائیکل پر پورے محلے کی سیر کرتے تھکا ہارا گھر آ گیا۔

حامد صاحب سوچ کے دریچوں پر ماضی کی خوبصورت یادوں سے مسکراتے ہوئے واپس آئے اور گہرا سانس خارج کرتے ہوئے گھر کی طرف رواں دواں ہوئے۔

❁❁❁❁

وقت کا کام گزر جانا ہے اور وقت گزرا بھی لیکن کچھ لوگ وقت کی قدر کرتے ہوئے خود کو مضبوط کر کے وقت کے ساتھ چلنے کی بھرپور سعی کرتے ہیں اپنی اس کوشش میں بہت سے لوگ کامیاب ہو کر بلندیوں کو چھوتے ہیں۔

حامد کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں ہوتا تھا وہ خداداد صلاحیتوں کا مالک تھا اپنی اچھی عادات ،ایمان داری اور محنت کی وجہ سے دن بدن ترقی کی منازل طے کرتا رہا۔

''شکر ہے جان چھوٹ گئی آج پیپرز سے بس اللہ کرے کالج ایڈمیشن سے پہلے یہ سڑک بھی بن جائے'' رابعہ نے گھر میں داخل ہوتے ہی تھکے تھکے لہجہ میں کہا۔

''بیٹا! آج کل تو پھر اتنی سہولیات ہیں آج سے کئی سال پہلے ہماری زندگی کو دیکھو تو گھر کا راستہ پار کرنا بھی جان جھونکوں میں ڈالنا تھا''

دادی جان کو رابعہ کا انداز کچھ اچھا نا لگا اس لیے طبیعت کے خلاف فوراً کہہ اٹھیں جس پر سب نے یکدم ان کی طرف دیکھا۔

''کیا مطلب دادی جان! میں کچھ سمجھا نہیں'' احمد جو دو تین دن سے اپنے اسکول سے ملنے والے اسائمنٹ کو بنانے میں حد درجہ مصروف تھا دادی کی بات پر چونک کر سر اٹھا کر سوالیہ نظروں سے دادی کو دیکھ رہا تھا۔

''دیکھ پتر! یہ جو مصالحہ پیستی ہیں نا مشینوں سے تم لوگوں کی مائیں چچی، خالائیں ہمارے زمانے میں یہ سب نہیں ہوتا تھا بلکہ ہم ہاتھ سے کوٹتے، پیتے تھے سل اور ہاون دستے میں، یہی نہیں کہیں جانا ہو تو گھنٹوں پیدل چل کر یا بیل گاڑیوں میں سفر کرتے تھے''

دادی نے بچوں کو مزید حیرانگی میں ڈالتے ہوئے حامد صاحب کو اشارہ کیا۔

''جی بچو! آپ کی دادی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میں نے جو زمانہ اور وقت دیکھا ہے اس میں کچی سڑکیں، چھوٹی گاڑیاں بہتے نالے تھے اور آپ کی دادی کے زمانے میں تو شاید وہ سب بھی نہیں تھا بلکہ اماں تو بتاتی ہیں جب وہ مکہ گئی تھیں ابا کے ساتھ تو وہاں آج کل جس طرح ہریالی، بڑی بڑی عمارتیں ہیں اس طرح نہیں تھا ہیں نا اماں!'' حامد صاحب نے بات ادھوری چھوڑتے ہوئے بچوں کی توجہ دادی کی طرف کی۔

''کیا سچ میں دادی جان! پہلے مکہ ایسا نہیں تھا جیسا ہم پچھلے سال دیکھ کر آئے ہیں''

احمد نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دادی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اب کیا بتاؤں! ایک تو اچانک بلاوا آیا اور پانی کے جہاز سے ہم مکہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ مہینہ لگ گیا تھا ہمیں پہنچنے میں آج کی طرح دو چار گھنٹے میں ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر نہیں جاتے تھے۔ اب وہاں گئے تو ساری جگہ ریت، ریگستان، تھوڑے بہت مکان بنے ہوئے بھی تھے تو وہ پہاڑوں میں اور کچھ ایسے ہی کچے بنے ہوئے تھے۔ اب نہ وہاں گیس نہ پانی کا صحیح انتظام اور تو اور پہاڑوں میں سے کیڑے مکوڑے نکل نکل کر آجاتے تھے، جان سولی پر لٹکی رہتی تھی پھر آہستہ آہستہ وہاں پر بڑی بڑی شاندار عمارتیں کھڑی ہوگئیں اور بیت اللہ کا احاطہ ان عمارتوں سے نیچے ہوگیا دل دیکھ کر پھٹ جاتا ہے کہ اللہ کے گھر کو نیچے کر دیا نالائقوں نے''

دادی سانس لینے کو رکیں تو بہت انہماک سے سنتے رابعہ و احمد میں کھلبلی پیدا ہوگئی کہ جلدی سے سب جان لیں کہ کیسا تھا آخر پہلے کا دور۔

''بھیا! ہم تو ایک بات جانتے ہیں چاہے جتنی مرضی ترقی کر لو لیکن اگر غیرت، ایمان، محبت،

الفت نہیں ہے نا تو یہ ترقیاں سب بے کار ہیں۔

اب دیکھو! اپنے ملک کی ترقی، بحالی، و خوشحالی کے لیے نا ہم کوشش کرتے ہیں اور نا دعا بس کرتے ہیں تو باتیں جب کہ دوسرے ممالک کے لوگ ترقی کے لیے دوڑ لگا رہے ہیں پتا ہے جب جاپان گیا روبوٹ ریسرچ کے لیے (کیونکہ جاپان نے اس فیلڈ میں بہت ترقی کر لی ہے)۔

وہاں پر ہر جگہ روبوٹ، ہر چیز الیکٹرانک ایسا لگتا تھا کسی اور ہی دنیا میں آ گیا ہوں جس طرح یہاں مکینک کی دکانیں ہوتی ہیں نا تو وہاں سمجھو روبو شاپس و سینٹرز ہوتے ہیں اب یہاں ہی دیکھو وہ جو ایک سسٹم آ گیا ہے الیکزا کے نام سے کہ ہر کام آٹو میٹک ہو رہا ہے الیکزا ہر کام کر رہی ہے تو دنیا آگے سے آگے کا سفر کر رہی ہے"

"واؤ زبردست! کتنا اچھا لگتا ہوگا نا ہر کام روبو کر رہا ہے ہمیں کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں"، رابعہ نے خوش ہوتے کہا۔

"ہاں تم تو ہو ہی ہمیشہ کی کام چور تمھیں تو کبھی روبو نہیں ملنے والا" احمد نے رابعہ کی پونی کھینچتے ہوئے کہا جس پر رابعہ بس گھور کر رہ گئی۔

"مطلب بابا! روبو تک کا سفر تو لوگ کر چکے آگے اب لگتا ہے کچھ انوکھا ہی ایجاد ہوگا مثلاً کوئی فاسٹ سروس، ہوا میں معلق مکان، اڑتی گاڑیاں، ہاں گاڑیوں سے یاد آیا ہمیں جو آج کل پروجیکٹس دیے جا رہے ہیں وہ ایسی ہی گاڑیوں کی تھیم پر تو ہیں جو روبو کار، ٹرک، وغیرہ ہو" احمد نے اپنے سامنے رکھے سامان کو دیکھتے ہر بات کا جائزہ لے کر مستقبل پیش کیا۔

"دیکھو بھئی! چاہے جتنی ترقی کر لو کچھ بھی بن جاؤ بس ایک بات کبھی نا بھولنا" دادی نے چونا منہ میں لگا کر کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"اپنی اصل پہچان! تم کون ہو دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے؟ بس یاد رکھنا تم مومن مسلمان ہو تمھارا مقصد اللہ کو راضی کرنا اور دین کو قائم کرنا ہے ترقی کی ہر راہ پر چلو لیکن اپنی اصل پہچان کو ہمیشہ یاد رکھ کر سفر کرو!"

دادی نے چند ہی لفظوں میں بچوں کو بہت قیمتی بات بتائی جسے بچوں نے بہت غور سے سنا اور اپنی پہچان کو یاد رکھتے ہوئے آگے کے سفر میں کامیابی کے لیے کمر بستہ ہوئے۔

بچوں کے ساتھ طوطے میاں نے بھی نعرہ لگایا ہاں بھئی ہم اپنی اصل پہچان نہیں بھولیں گے کہ ہم طوطا چشم ہیں اور پھر سے اڑ گئے نئے سفر پر اور سب حیران ہو کر دیکھتے رہ گئے۔

❀❀❀❀



انس ریاض

''منصور! منصور! کدھر ہیں آپ ؟ کب سے ڈھونڈ رہی ہوں''

''وہ میں سٹور میں کچھ کام کر رہا تھا'' منصور سامنے آتے ہوئے بولا۔

''اچھا ویسے آپ بتائیں کیا کہنا تھا؟''

''وہ ناں بچوں کو سکول سے گرمیوں کی چھٹیاں ہوگئیں تھیں تو میں سوچا امی کے

شہید ابنِ شہید



گھر سے ہو آؤں'' امامہ بڑے پیارے سے بولی۔

''اچھا تو کچھ بازار سے شاپنگ کرنی تھی ،سوچا ابھی چل کر کر آتے ہیں'' منصور نے کچھ دیر کے بعد کہا۔

''اچھا میں اپنا کام مکمل کرلوں ہم شام کو چلیں گے'' امامہ اپنے خاوند کو اتنی جلدی راضی ہوتا دیکھ کر جلدی سے رضامند ہوگئی۔

❁❁❁❁❁

منصور دن بھر کام میں لگا رہا شام کو جب آیا تو تھکاوٹ اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ عصر کی نماز کے بعد اس نے چائے کی فرمائش کی تو فوراً حاضر کردی گئی۔ امامہ بھی چائے لے کر پاس ہی بیٹھ گئی۔ چائے کے ساتھ گپ شپ چلتی رہی۔ آخر کار امامہ اپنے اصل مدعا پر آئی اور بڑے پیارے بھرے لہجے میں بولی''بازار چلیں!'' اس سے پہلے کہ منصور کوئی عذر پیش کرتا امامہ بولی، ''واپسی پر آج آپ کی پسند کا کھانا بناؤں گی'' آخر

کار منصور کو ہار ماننا پڑی، وہ بائیک باہر نکالنے لگا ۔امامہ بھی جلدی سے عبایا اوڑھ کر اس کے ساتھ بازار روانہ ہوگئی۔

❁❁❁❁

منصور اور امامہ دونوں میاں بیوی تھے۔ شادی کو دس سال ہو چکے تھے۔ان کے تین بچے تھے۔لڑائی جھگڑا ان میں بس برائے نام ہی تھا۔ہنسی خوشی زندگانی کی گاڑی اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی، ان کا تعلق متوسط طبقے کے گھرانے سے تھا۔

دولت کی ریل پیل نہ تھی لیکن جتنا وہ کماتا تھا گھر کا گزارا اچھے سے ہو جاتا تھا۔منصور کے والد کی جائیداد جو منصور کو ورثہ میں ملی تھی گھر بنانے میں صرف ہو چکی تھی۔ ان کے والد نیک طبع اور سخی دل والے آدمی تھے۔ علاقے کا ہر فرد ان کی تعریف میں رطب اللسان تھا۔ ان کی جائیداد اچھی خاصی تھی مگر انہوں نے اپنا بہت کچھ اللہ کی راہ میں لٹا دیا تھا۔

ان کے سات بچے تھے، تین بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔انہوں نے اپنی بچی کھچی جائیداد اپنی تمام اولاد میں شریعت کے مطابق تقسیم کر دی تھی۔ وہ ایک مجاہد تھے وطن کی آزادی کی تڑپ ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

وہ ایک سپہ سالار کی حیثیت سے ایک جنگ میں اپنے وطن کی خاطر لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ان کی شہادت کا سب سے زیادہ صدمہ منصور کو ہوا تھا۔

منصور ان کا منجھلا بیٹا تھا۔ان کی شہادت کے بعد منصور گاؤں کو خیر باد کہہ کر شہر میں آ کر رہنے لگا۔ وہ فرصت کے اوقات میں گاؤں چکر لگاتا رہتا تھا۔ وہ اپنے شہید بابا کے نقش قدم پر چلنا چاہتا تھا لیکن حالات کا رخ دوسری طرف تھا۔ اسے اپنے والد کی یاد ستاتی رہتی تھی اکثر اوقات وہ اپنے بابا کے ساتھ بچپن میں گزارے لمحات سوچ کر بچوں کی طرح رونے لگ جاتا۔

❁❁❁❁

بازار میں پہنچ کر کپڑوں کی خریداری کے بعد وہ جوتے خریدنے کے لیے جوتے کی دکانوں کی طرف دیکھنے لگا۔

اسے سامنے ایک دکان میں شوکت چچا بیٹھے نظر آئے بے اختیار اس کے قدم ان کی دکان کی طرف بڑھ گئے۔شوکت چچا اس کے والد کے گہرے دوست تھے۔بچپن میں وہ اپنے بابا کے ساتھ اکثر یہاں پر آتے تھے۔

''السلام علیکم'' منصور نے وہاں جاتے ہی سلام کیا۔

''وعلیکم السلام'' شوکت چچا سلام کا جواب دیتے ہی اٹھ کر پرتپاک انداز میں ملے ساتھ کرسی

پر بٹھایا۔ پرانی یادیں تازہ ہوئیں۔خریداری کے بعد شوکت چچا سے بل پوچھا تو انہوں صاف انکار کر دیا۔منصور نے بہت کہا لیکن اس کے باوجود شوکت چچا نے بل نہیں لیا۔ یہ سب کرم نوازیاں اس کے بابا کی وجہ سے تھی کہ ان کے جانے کے بعد بھی لوگ انہیں نہیں بھلا پائے۔

واپسی پر منصور کی آنکھیں ایک بار پھر اپنے شہید بابا کا سوچ کر نم ہو چکی تھیں، وہ بھی اپنے بابا کی طرح ایک عظیم مجاہد بننا چاہتا تھا گھر آ کر وہ بہت گہری سوچ میں ڈوب گیا جس کی وجہ سے رات کا کھانا بھی ٹھیک سے نہ کھا سکا۔حالانکہ اس کی پسند کا کھانا تھا جسے وہ ہمیشہ شوق سے کھاتا تھا۔ بیوی نے وجہ پوچھی تو ٹال مٹول کر گیا۔ساری رات اس کی سوچ میں گزری۔

جس کی وجہ سے وہ رات بھر نہ سو سکا تھا آخر کار صبح اس نے فیصلہ کر لیا تھا ،بیگم کو اس کی والدہ کے گھر چھوڑ کر وہ کچھ دن کا اہم کام کا کہہ کر چلا گیا۔ آج اس نے اپنی زندگی کا اہم مقصد سوچ لیا تھا ۔وہ وہاں سے اپنے ملک کی جہادی تنظیم کے کمانڈر عبداللہ کے پاس گیا اور کہا کہ وہ ملک کا ایک وفادار جانباز بننا چاہتا ہے۔

اس کی ٹریننگ شروع ہوگئی۔ جلد ہی وہ اپنے عظیم صلاحیت کی وجہ سے ایک بڑا کمانڈر بن گیا۔چھوٹے چھوٹے معرکوں میں ہمیشہ اس نے فتح حاصل کی لیکن اب اسے اس کی عظیم صلاحیتوں کی وجہ سے ایک اہم مشن سونپا جا رہا تھا جس صبح اسے مشن سونپا جاتا تھا۔

وہ ساری رات اپنے رب کے حضور گڑگڑا کر کامیابی کی دعائیں کرتا رہا۔صبح ہوتے ہی کمانڈر عبداللہ نے فوج کی کمان اس کے ہاتھ میں تھما دی ۔ کمانڈر نے ہمیشہ اسے اللہ سے ڈرتے اور ثابت قدم رہنے کی نصیحت کی۔دعاؤں کے ساتھ یہ جانبازوں کا دستہ روانہ ہوا۔

❁❁❁❁

دراصل ملک میں خانہ جنگی کی صورت حال پیدا کرنے کے لئے دشمن ملک کی طرف سے بھاری مقدار میں اسلحہ سمگلنگ کے ذریعے ملک میں لایا جا رہا تھا۔دشمن ملک میں موجود جاسوس کے ذریعے خبر ملی ،فوراً ایکشن لیا گیا۔اس اسلحہ کو تباہ کرنا یا اپنے قبضے میں لینا ضروری تھا کیونکہ دشمن ملک اپنی پوری کوشش کر رہا تھا۔اس لیے تھوڑی سی غلطی پورا منصوبہ چوپٹ کر سکتی تھی۔اس لیے ہی اس کام کے لیے منصور کا انتخاب کیا گیا تھا جو کہ اپنے باپ کی طرح نڈر مجاہد تھا اور شہادت کا خواہشمند تھا۔

❁❁❁❁

فوجی دستہ ہوا سے باتیں کرتا ہوا اپنے مشن کی طرف رواں دواں تھا، آخر کار شام سے پہلے وہ

اس جگہ پہنچ گئے۔ جہاں سے اسلحہ وغیرہ سمگلنگ کیا جانا تھا۔ منصور نے اپنی فوج کو وہاں پہ پہاڑیوں اور گھاٹیوں میں چھپ کر خفیہ مورچے قائم کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد منصور نے اپنی جگہ آ کر پوزیشن سنبھالی۔ پھر کچھ دیر سوچ کر جیب سے کاغذ اور قلم نکالا خط لکھا اپنے فوجی افسر دانیال کو بلا کر وہ خط تھما دیا اور کہا کہ اگر میں شہید ہو جاؤں تو یہ میرا خط میرے گھر تک پہنچا دینا۔

رات کی تاریکی بڑھ گئی تو دشمنوں کے گھوڑوں کی آوازیں دور سے آنے لگیں منصور نے فوراً اپنی فوج کو پوزیشن سنبھالنے کا حکم دیا اور کہا جب تک میں نہ کہوں حملہ نہیں کرنا۔

گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں اب بہت قریب سے آنے لگیں جب دشمن ملک کی فوجیں نشانے پر آ گئیں تو منصور نے فوراً حملے کا حکم دیا۔

فائرنگ شروع ہوگئی۔ دشمن کے سوار گولیاں کھا کر نیچے گرنے لگے دشمن کچھ دیر کے لئے بد حواس ہوگیا۔ گھوڑے اپنے ہی سواروں کو نیچے گرا کر روندنے لگے۔

لیکن کچھ دیر بعد سنبھل کر دشمن نے ایک زبردست حملہ کیا لیکن اسلام کے بیٹے پہلے ہی تیار بیٹھے تھے۔ فوراً جوابی حملہ کیا یہ حملہ اتنا زبردست تھا کہ دشمن کی لاشوں کے انبار لگ گئے، وہ بدحواسی کے عالم میں سارا اسلحہ سامان جو ساتھ لائے تھے چھوڑ کر بھاگنے لگے۔

مجاہدین نے تعاقب کیا۔ سب مار دیے گئے چند ایک ہی بچے جو فرار ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گئے لیکن کمانڈر منصور پہلے ہی ان کو نظر میں رکھ چکا تھا۔

کمانڈر منصور نے اپنے فوجی افسر دانیال کو اسلحہ اور فوج کے ساتھ ایک محفوظ جگہ پر پہنچنے کا حکم دیا اور خود اکیلے ہی ان کے پیچھے دوڑنے لگے۔ دانیال نے راستہ روک کر کہا کہ آپ اکیلے مت جائیں کچھ سپاہی ساتھ لے کر جائیں ہوسکتا ہے وہ اور زیادہ تعداد میں موجود ہوں۔

منصور نے کہا، اگر وہ اور زیادہ تعداد میں موجود ہوں تو میں ان کے ساتھ لڑنے کے لئے کافی ہوں۔ اپنے سپاہیوں کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔ اگر میں صبح تک نہ آیا تو سمجھ لینا شہید ہوگیا ہوں، اب جیسا میں نے کہا ویسا کرو! کمانڈر منصور خود ہی ان کی تلاش میں بڑھتا گیا۔

قدموں کے نشان دیکھ کر منصور درختوں کی اوڑ میں آگے بڑھتا ہوا دشمن کے ٹھکانے تک پہنچ گیا۔

دیکھا کہ وہ آگ جلا کر بیٹھے ہیں بڑے سکون سے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں لگتا ہے ان کو اپنی ناکامی کی اطلاع نہیں ملی تھی۔ منصور درختوں

کی اوڑ میں آگے چلتا ہوا ان کے ٹھکانے کے قریب تر ہوتا چلا گیا۔

آخر کار ان کی باتیں کرنے کی آواز اس تک آنے لگی آواز جانی پہچانی تھی۔منصور نے غور سے دیکھا، وہاں ان کو ہدایات دینے والا شخص شوکت چچا جوتوں والا ہی تھا۔

منصور کے پاؤں تلے سے زمین ہی نکل گئی۔منصور کو اپنی گردن پہ چبھن محسوس ہوئی تو اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو فوجی اسے گھیرے میں لیے ہوئے کھڑے تھے۔

منصور ان کی باتیں سننے میں اتنا محو ہوا کہ اسے آس پاس کا ہوش نہ رہا۔یہی اس سے بڑی غلطی ہوئی وہ پکڑا گیا تھا، فوجی اسے گھیرے میں لیے ہوئے اپنے کمانڈر (شوکت) کے پاس لے گئے۔کمانڈر نے منصور کو دیکھا تو اچھل کر کھڑا ہو گیا۔اس کے منہ سے بے اختیار نکلا ''منصور'' اسے یوں لگا کہ اس کا سارا راز فاش ہو گیا۔

''منصور! افسوس اب تم یہاں سے بچ کر نہیں جا سکتے۔تمہاری موت تمہیں یہاں تک لے آئی ہے'' اس نے کہا۔

''شوکت چچا! جب تک تم جیسے غدار اس ملک میں موجود ہیں اس وقت تک اس ملک کے سرفروش مجاہد چین سے نہیں بیٹھ سکتے۔'' منصور نے پرسکون آواز میں جواب دیا۔

''واقعی اب بہت دیر ہو چکی ہے منصور! اب تم موت کے منہ میں جانے والے ہو تمہارے مرنے کا مجھے بہت افسوس ہوگا۔'' شوکت نے ایک اونچا قہقہہ لگایا اور کہا۔

''شوکت! تمہارے ملک سے بھیجا گیا دستہ برباد ہو چکا ہے تمہارا تمام اسلحہ اب ہمارے قبضے میں ہے۔اب تجھے بھی جہنم رسید کرنے کا وقت بھی آ گیا ہے۔میں بھی اپنے بابا کی یاد میں ان کے نقش قدم پر چلنا چاہتا تھا۔ اب وقت آ گیا ہے۔'' منصور نے کہا۔

اگلے ہی لمحے ایک دھماکہ ہوا خون کے لوتھڑے ہر طرف نظر آنے لگے پھر سناٹا ہو گیا۔صبح ہوتے ہی دانیال نے ہیڈ کواٹر میں کامیابی اور منصور کی شہادت کی خبر بھیج دی اور خط منصور کے گھر پہنچا دیا۔

❁❁❁❁

ایک دن امامہ صحن میں بیٹھی ان کی یادوں میں گم تھی منصور کا بڑا بیٹا عبداللہ آیا اور کہا۔

''مما! میں بھی بابا کی طرح شہید ہونا چاہتا ہوں''

امامہ کی آنکھوں میں آنسو تیر گئے اور کہا۔

''ضرور بیٹا! بیٹا ضرور!''

❁❁❁❁



وہ یمن کے شہزادے تھے۔وہ انتہائی حسین وجمیل تھے۔ان کا چہرہ چاند سا تھا۔ان کا قد کاٹھ بھی اونچا لمبا تھا کہ جب کھڑے ہوتے تو سر اونٹ کی کوہان کے برابر نظر آتا تھا۔

جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا اکرام فرمایا اور اپنی چادر بچھا کر اس پہ بیٹھنے کی دعوت دی، اس پر انہوں نے چادر کو اٹھا کر سینے سے لگایا، چوما اور آنکھوں پہ رکھا پھر باادب انداز میں چادر واپس پیش کی اور عرض کی:

”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے میری عزت افزائی کی، اللہ تعالیٰ آپ کی عزت افزائی فرمائے گا“

اس کے بعد انہوں نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا اور اپنے قبیلے کے 150 افراد کے ساتھ مشرف بااسلام ہوئے۔

انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے یہ عہد کیا تھا کہ وہ ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کریں گے۔انہوں نے اس عہد کی پاس داری کا ہمیشہ خیال رکھا۔

اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے جس میں آپ ایک گھوڑا خرید رہے تھے۔بیوپاری 300 درہم میں ایک گھوڑا لے آیا، آپ نے گھوڑے کو دیکھا تو اندازہ لگایا کہ اس کی قیمت 400 درہم ہونی چاہیے، لہٰذا گھوڑے کے مالک سے فرمایا:

کیا یہ گھوڑا 400 درہم میں بیچو گے؟

اس نے کہا:

میں تو راضی ہوں۔

ادھر ان کے دل میں پھر خیر خواہی کا خیال آیا، فرمایا:

اس کی قیمت 500 ہونی چاہیئے، اس طرح کئی مرتبہ دل میں خیال آیا اور 100 درہم بڑھاتے چلے گئے یہاں تک کہ آپ نے اس گھوڑے کو 800 درہم میں خریدا۔

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک مہم پر روانہ کرنا چاہا تو انہوں نے عذر ظاہر کیا کہ میں گھوڑے پر جم کر سواری نہیں کر سکتا، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور ان کے لیے دعا فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ اس دن کے بعد وہ کبھی بھی گھوڑے سے نہ گرے۔ یہ دعا لے کر آپ رضی اللہ عنہ اس مہم پہ روانہ ہو گئے اور اسی مہم میں انہیں ''بت شکن'' ہونے کا اعزاز بھی ملا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ادوار خلافت میں انہوں نے جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ایک بہترین سپہ سالار کے طور پر سامنے آئے۔

ان کے ہاتھ پر کئی شہر فتح ہوئے۔ ان کی وفات 51 ھجری کو ہوئی۔

❁❁❁❁

شمارہ ذی الحجہ کا درست جواب:
حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ

وہ کون تھے؟؟

شمارہ ذوالحجہ ۱۴۴۳ھجری کے انعام یافتہ

عبداللہ، کراچی

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

محمد السیف۔ محمد انس، حیدر آباد۔ داؤد السیف۔ کامران خلیل، بہاولنگر۔ عیسیٰ السیف۔ محمد احمد، بہاولپور۔ حسن احمد، لودھراں۔ ہمشیرہ خلیل احمد، جامشورو۔ نور الہیٰ۔ عائشہ بنت ابو بکر۔ زین احمد۔ عبداللہ، کراچی۔ عبدالماجد، کہروڑ پکا۔ سدرہ بشیر۔ صوفیہ اکرام۔ اقصیٰ کلثوم۔ نور فاطمہ، راولپنڈی۔



دانش کدہ

جہاں امام العقلاء، شاہ نبلاء بوجھ بجھکڑ آپ کی مشکلات کے جواب دیتے ہیں

جناب بوجھ بجھکڑ کی خدمتِ عالیہ میں:

1۔ اگر آپ سے کوئی کہے کہ آپ مسندِ دانش کدہ چھوڑ دیں اس کے بدلے میں جتنی رقم کا مطالبہ کرنا چاہیں کر لیں، تو آپ کا مطالبہ کیا ہوگا؟

☆ میرا مطالبہ یہ ہوگا کہ رقم کا لالچ دینے والے فوراً دفع ہو جائیں۔

✿✿✿✿

2۔ کیا آپ نے اپنے بعد دانش کدہ کی گداگری کے لئے کوئی خلیفہ نامزد کیا ہے؟

☆ کوئی مناسب آدمی نظر نہیں آیا۔

✿✿✿✿

3۔ اور کیا آپ دانش کو عام کرنے کے لئے کوئی باقاعدہ کورس بھی کرا رہے ہیں؟ ہم بھی استفادہ کرنا چاہتے ہیں۔

☆ میرا تو ارادہ ہے لیکن فی الحال دانش نہیں مان رہا۔

4۔آپ کا نفس الامر (مطلب مسلمان بچے سے ہٹ کر خارج) میں بھی کوئی پتہ ہے؟ ہم ملاقات کا شوق رکھتے ہیں۔

☆جی میرا نفس الامر مطلب مسلمان بچے سے ہٹ کر خارج میں بھی پتہ ہے لیکن صرف انہیں پتہ ہے جنہیں پتہ ہے۔

❀❀❀❀

5۔اچھا یہ بتائیں کہ مسلمان بچے کے مدیر سے آپ کی رشتہ داری تو نہیں؟

☆یہ کون صاحب ہیں؟

محمد شعیب، کہروڑ پکا

❀❀❀❀

محترم جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

وہ کون سی چیز ہے جو'دن کو نہ ہو تو' دن رات لگتا ہے اور اگر'رات کو نہ ہو تو بھی' رات، رات لگتی ہے؟

☆کھانے کی بات تو نہیں کر رہے آپ؟

آپ کی دانش آپ کو ہر سوال کا جواب دینے پہ آمادہ کیوں نہیں کرتی۔۔۔؟

☆یہ بات آپ مجھ سے نہیں دانش سے پوچھیں۔

(عائشہ، چیچہ وطنی)

❀❀❀❀

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

خواتین سب سے اہم بات جاتے ہوئے دروازے پر کھڑے ہو کر کیوں کرتی ہیں؟

☆یہ اس بات کی اہمیت کا تقاضا ہوتا ہے کیونکہ آخر میں کی ہوئی بات یاد رہتی ہے۔

(ہمشیرہ محمد انیس)

❀❀❀❀

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

سر منڈواتے ہی اولے کیوں پڑتے ہیں۔ اس سے پہلے کیوں نہیں؟

☆اس سے پہلے بھی پڑتے ہیں لیکن سر پر نہیں۔

(محمد قاسم، ضلع ملتان)

❀❀❀❀



قیمتی باتیں

جو علم کی راہ پر چل پڑے، اُسے تنہائی سے وحشت نہیں ہوتی اور جو کتابوں سے حوصلہ پکڑنا سیکھ جائے، وہ سب دلاسوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور جسے تلاوتِ قرآن سے اُنس ہو جائے، اُسے دوستوں کے بچھڑنے سے فرق نہیں پڑتا۔

شفاء بنت ہارون

بقیہ: کیسا یومِ آزادی

سیاسی جماعتوں اور کبھی اختلاف کی خاطر اپنے ہی مسلمان بھائی کے خون کے پیاسے ہو گئے، نتیجتاً جس ملک و ملّت کو مل جل کر آگے بڑھانا تھا اور ترقّی کی راہ پر گامزن کرنا تھا، وہ پیارا پاکستان تو باہمی الجھنوں کو شکار ہو کر بالکل اکیلا رہ گیا، سب ایک دوسرے کو اونچا اور نیچا دِکھاتے رہے ، اخلاقیات کے دائرے ٹوٹتے رہے اور پیارا پاکستان نظر انداز ہو کر کبھی پانی، کبھی تعلیم، کبھی بجلی، بھوک اور غربت جیسے مسائل کا شکار ہوتا گیا، رمضان المبارک میں وجود پانے والا پیارا وطن اکیلا ہوتا گیا اور اب مجھے ایسا لگتا ہے کہ ہمارا پیارا پاکستان، یومِ آزادی کا نام سن کر ہنسنے اور رو دینے کی ملی جلی کیفیت کا شکار ہو گا،

"سب سے اونچا یہ جھنڈا ہمارا رہے"

لہک لہک کر گانے والے وطن کے پاسبان، ہر جھنڈے کو اونچا کر کے، سیاسی جماعتوں میں بٹ کر صرف اس ہی جھنڈے کو نیچا کرتے ہیں۔

"جستجو جو کرے وہ چھوئے آسمان"

کہنے والے نوجوان ٹک ٹاک پر اپنی صلاحیتوں کو ضائع کرتے ہیں ،حالانکہ اگر یہی صلاحیتیں علم کے موتی چننے اور تحقیق کے دروازوں کو دستک دینے میں استعمال کی جائیں ،تو یہ ملک نوجوانوں کی اکثریت اور اللہ کی رحمت سے ایک ترقّی یافتہ ملک بن سکتا ہے، میرے عزیز ساتھیو!

ابھی سفر کٹھن ہے، مگر کیا ہم پر حق نہیں ان جانوں کا جو اس ملک کی خاطر قربان ہوئی تھیں کہ ہم اِن کٹھن راستوں سے گزر کر اس ملک کا نام روشن کریں، ہم محنت کر کے اپنے پیارے پاکستان کو وہ مقام دیں کہ باقی اقوام بھی حیرت زدہ ہو جائیں، ہم سائنس کے میدان میں ترقّی کر کے اسلام اور پیارے پاکستان کا حق ادا کریں، میرے ساتھیوں، یومِ آزادی پر میرا یہی پیغام ہے کہ ابھی بہت قرض چکانا ہے، ہمت سے آگے بڑھنے کا عزم کریں، تھامیں ایک دوسرے کا ہاتھ، دور کریں ہر اختلاف اور آسمانوں کو چھو لیں

اللہ اس ملک کو دائم آباد رکھے۔آمین

بجتی ہوئی تالیوں کی گونج میں جو چہرہ سب سے زیادہ صبا پہ فخر کر رہا تھا وہ روبی خالہ کا تھا اور دور کہیں سکر دو میں سارہ کی مسکراہٹ صبا کو محسوس ہو رہی تھی۔



السلام علیکم!

ماہِ ذیقعدہ کا شمارہ ایسے حال میں پہنچا کہ ہم بالکل ہی ناامید ہو چکے تھے کیونکہ اس سے قبل شوال کے شمارے سے بھی ہم محروم ہو چکے تھے (اور ابھی تک محروم ہیں) ہم نے پہلے بھی براہ راست شمارہ حاصل کرنے کی درخواست کی تھی اب دوبارہ اسکا طریقہ کار معلوم کرنا چاہتے ہیں، براہِ کرم ہمیں جلد از جلد اس انتظار اور محرومیت سے نکلنے کا راستہ بتلا دیجئے......

دوسری بات یہ ہے کہ ہم نے دوستوں سے موبائل لے کر گوگل پر بھی سرچ کیا مگر وہاں رمضان کا شمارہ ہی اپ لوڈ ہوا تھا، شوال اور ذیقعدہ کے شمارے کی صرف جھلکیاں ہی دکھائی گئیں تھیں، جبکہ اکثر قارئین خطوط میں بتاتے نظر آتے ہیں کہ ہم نے نیٹ پر شمارہ پڑھا، اب ہم پوچھنا چاہیں گے کہ کیا گوگل کے علاوہ بھی کہیں سے شمارہ نکالا جا سکتا ہے؟ ہم بھی اس سہولت سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔

بہر حال! اس مرتبہ شمارہ نئے انداز میں بہت خوبصورت لگ رہا تھا، کہانیاں اور مستقل سلسلے بھی جاندار اور شاندار تھے، خطوط سے معلوم ہوا

کہ مولانا زبیر طیب صاحب نئے سلسلے کے ساتھ تشریف لانے والے ہیں، آیئے آیئے خوش آمدید آپ ہی کا انتظار تھا۔

اس کے علاوہ پرانے شماروں میں ایک نام ”ابو دجانہ“ بھی نظر آتا تھا معلوم نہیں وہ کون صاحب ہیں لیکن لکھتے بہت اچھا تھے۔

ہم ان سطور کے ذریعے انہیں بھی خیر خیر لانے کی درخواست کرتے ہیں۔ بھائی دانیال اور بہن تسلیمہ سے کچھ انوکھا لکھنے کی خواہش کے ساتھ ہی اجازت چاہیں گے۔

والسلام! (محمد شعیب، کہروڑ پکا)

❁❁❁❁

السلام علیکم محترم مدیر صاحب!

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ مسلمان بچے شمارہ ہمارے دل کی آواز ہے۔ میں اس کی بچپن سے قاریہ ہوں۔

پہلی بار خط لکھ رہی ہوں۔ مجھے اس کی اچھوتی کہانیاں جس میں جہاد کا زیادہ تر ذکر ہو بہت پسند ہیں۔ لکھاریوں میں تسلیمہ موسیٰ، زبیر طیب اور محمد فیصل بھائی کی تحریریں بہت پسند ہیں۔

ہمارے پاس شمارہ بہت تاخیر سے پہنچتا ہے مگر پھر بھی پہنچ جاتا ہے اور گھر میں لڑائی ہوتی ہے کہ کون پہلے پڑھے گا۔

بوجھ بجھکڑ کا سلسلہ سب سے اچھا لگتا ہے۔ سب سے پہلے وہی پڑھتی ہوں اور بلا اختیار ہم مسکرانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

سارا رسالہ ہی بہت شاندار ہے اور بہت اچھا ہے۔ سعدیہ جہادی آپی سے درخواست ہے کہ وہ اس میں ضرور ضرور لکھا کریں۔ ڈھیر سارا سلام اور دعائیں۔

والسلام

ہمشیرہ خورشید احمد، بھکر

❁❁❁❁

السلام علیکم مدیر صاحب!

الحمدللہ میں خیریت سے ہوں۔

امید ہے کہ آپ اور مسلمان بچے کے تمام قارئین، لکھاری اور تمام محبت کرنے والے خیر و عافیت سے ہوں گے۔

ماہ ذیقعد کا شمارہ زیر موضوع ہے۔ گزشتہ ماہ کے رسائل کی طرح اس ماہ کا رسالہ بھی بہت عمدہ اور نایاب تھا۔

حضرت جی کی تحریر پاکیزہ لہریں بہت اچھی تھی۔ اس کے علاوہ جرات اور بہادری کی مثال سلطان ٹیپو شہید پڑھ کر تاریخ سے شناسائی ہوئی۔ غازی عبدالقیوم شہید قسط نمبر 6 میں گستاخ رسول کا انجام پڑھا۔

ایک خوشخبری یہ ہے مسلمان بچے کی سالانہ رجسٹریشن اور خاص شمارہ حاصل کرنے کے لئے

آن لائن پیمنٹ کا نظام متعارف کروا دیا گیا ہے۔میں نے سوشل میڈیا پیج پر اعلان ہوتے ہی شمارے کی بکنگ کروائی اور رسید لکھے گئے نمبر پر بھیج دی اور اب ماہ ذوالحجہ/ جولائی کی ڈاک کا بے صبری سے انتظار کر رہا ہوں۔

دعا ہے کہ میرا پیارا اور پسندیدہ رسالہ مسلمان بچے خوب ترقی کرے اور ہمیں آسانی سے ملتا رہے۔

سب دوستوں کو سلام

والسلام

محمد زین، فیصل آباد

❁❁❁❁

السلام علیکم!

امید ہے آپ سب ٹھیک ہوں گے اور مسلمان بچے کے نئے شمارے کی تیاری میں مصروف ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ سے ہر لحظہ دعا ہے کہ مسلمان بچے دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے۔ بلاشبہ یہ رسالہ بہت سے رسالوں میں اپنا ایک خاص امتیاز رکھتا ہے۔اس کے بعض سلسلے مجھے بہت پسند ہیں۔ جن میں ایک دعا ایک حدیث منفرد سلسلہ ہے۔

وہ کون تھے تو جنون کی حد تک پسند ہے اس کے علاوہ سو لفظی کہانی اپنی نوعیت کا ایک بہترین سلسلہ ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ مسلم امہ کی تاریخ جیسے ٹیپو سلطان اور اس جیسے جانباز جرنیلوں کی تاریخ ہمیں اپنے روشن ماضی سے وابستہ رکھتی ہے۔

اس کے علاوہ سب سے زبردست بوجھ بجھکڑ صاحب ہیں جو ہمارے چہروں پر مسکراہٹ بکھیرتے ہیں۔

رسالے میں لکھنے والے سبھی لکھاری بہت اچھے ہیں مگر مجھے سب سے زیادہ تسلیمہ موسیٰ اور محمد فیصل علی کا اسلوب بہترین لگتا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی لکھاریات جیسے منال موسیٰ، عائشہ بخاری، بنت عبد الهادی، سائرہ شاہد وغیرہ بھی بہت پسند ہیں۔

انوکھا انٹرویو جس کی لکھاری انعم توصیف صاحبہ ہیں یہ تو کمال ہی کرتی ہیں ہر تحریر اس قدر سادہ اور زبردست ہوتی ہے کہ مزہ آجاتا ہے۔

انعم توصیف صاحبہ آپ کا بے حد شکریہ۔ایسے ہی لکھتی رہیں۔

میں نے کچھ آرٹ بھی بھیجی ہیں۔ اشاعت کے لائق ہوں تو ضرور شائع کیجیے گا۔

خط طویل ہو گیا۔مدیر صاحب کی ٹوکری سے ڈر لگتا ہے اب اجازت دیں۔والسلام

(بنت قاری عتیق، کراچی)

❁❁❁❁



آرٹ
گیلری



مسلمان بچوں کو آزادی مبارک
14
اگست
آزادی کے
74
سال





یا اللہ



جہادِ اسلامی کشمیر



Kashmir Freedom
Resistence
occupied Army
Go Back.
جہادِ کشمیر


اللہ اکبر
فراز عبدالسلام


عید مبارک
ادیس گجر


بسم اللہ الرحمن الرحیم
مسعود اظہر
حضرت مولانا

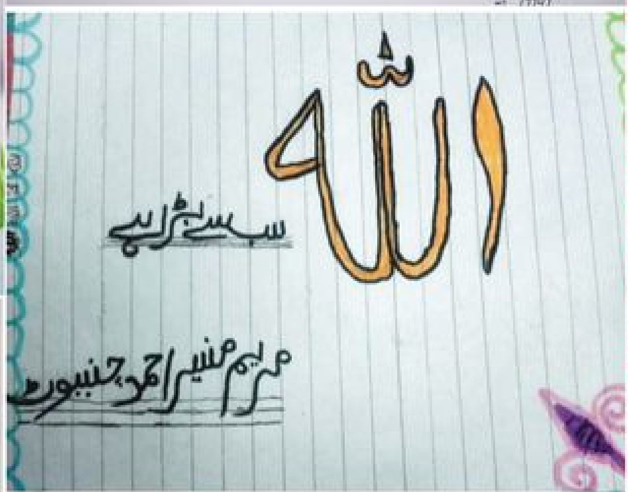



عمر فاروق
بسم اللہ الرحمن الرحیم
ابوبکر
محمد
عثمان


بسم اللہ
جویریہ رانا بھیرہ سرگودھا




محمد رسول اللہ


اللہ
سب سے بڑا ہے
مریم منیر احمد چنیوٹ




Ume-Ayman.Khp


کن
فیکون

گرنا نہیں اچھا

عاشق کا نگہہ یار سے گرنا نہیں اچھا
بجلی کی سی رفتار سے گرنا نہیں اچھا

انسان پھر انسان ہے حیوان نہیں ہے
انسان کا کردار سے گرنا نہیں اچھا

گرنے کے لیے اور بھی سامان بہت ہیں
ٹکرا کے کسی یار سے گرنا نہیں اچھا

سائل کی صداؤں میں کئی درد ہیں لیکن
کردار کے کہسار سے گرنا نہیں اچھا

پھولوں سے بھری بیل کو پھیلاؤ سے روکو
چڑھ کر کسی دیوار سے گرنا نہیں اچھا

اشکوں کا کوئی مول کوئی بھاؤ نہیں ہے
اشکوں کا نگہہ یار سے گرنا نہیں اچھا

آئے ہو اگر جنگ کا میدان پلٹنے
کٹ کر کسی تلوار سے گرنا نہیں اچھا

ہمشیرہ بابر افریدی